مسلسل اشاعت کے 61 سال

ماہنامہ الحق

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

725

رجب

۱۴۴۷ھ

جنوری ۲۰۲۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقش آغاز

مولانا راشد الحق سمیع
مدیر ''الحق''

دارالعلوم حقانیہ میں علمی، تحقیقی مناقشات کی تقریب

۳/جنوری ۲۰۲۶ء بروز ہفتہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مرکزی کتب خانہ جدید دارالتدریس میں ایک روزہ علمی و تحقیقی مقالات کے مناقشہ (وائیوا) کی تقریب منعقد ہوئی۔اس تقریب کے مہمان خصوصی مولانا ڈاکٹر قاسم اشرف صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب تھے جبکہ راقم نے اس مجلس کی صدارت کی سعادت حاصل کی۔ اس مجلس میں فقہ حنفی کی کتاب ''فتاوی قاضی خان'' (تخریج و تحقیق) کے مناقش شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر قاسم اشرف صاحب اور مولانا ڈاکٹر احسان الرحمٰن صاحب (فرزند حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب) تھے اور باحث مفتی حسین احمد مع احباب واساتذہ مشرفین مولانا مفتی ادریس صاحب تھے۔ مقالہ ''حقائق السنن'' (تخریج و تحقیق) کے مناقش حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ تھے اور باحثین مولانا حبیب اللہ نور،مولانا اسماعیل حقانی تھے، تخصص فی التفسیر کے مقالے ''علامہ مودودی کی تفسیری خدمات'' کے مناقش مولانا مفتی ڈاکٹر شوکت اللہ حقانی اور باحث مولانا کاشف اللہ خان حقانی تھے جبکہ تخصص فی التفسیر کے دوسرے مقالے ''تفسیری افادات مولانا شیخ احسان اللہ'' کے مناقش مولانا مفتی ڈاکٹر شوکت اللہ حقانی اور باحث مولانا اشرف علی حقانی تھے۔تمام محققین حضرات نے اپنے اپنے مقالوں کا دفاع کیا، یاد رہے کہ دینی مدارس اور جامعات میں باضابطہ مناقشات کا آغاز گزشتہ تین سال پہلے ہوا تھا جس کی علمی حلقوں نے بہت پذیرائی کی تھی۔ اس قسم کی علمی مجالس اور مناقشات سے فضلا اور تخصصات کے طلبا میں علمی اور تحقیقی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔ اس علمی تقریب میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد سے شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر قاسم اشرف صاحب،مولانا سید محمد یوسف شاہ صاحب، حضرت مولانا الطاف الرحمٰن صاحب (نائب مہتمم جامعہ دارالہدی اسلام آباد)، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب، شیخ محسن الرفاعی ، مفتی حبیب اللہ قاسمی (مشرف تخصص فی الحدیث)، مولانا سید حبیب اللہ شاہ صاحب (تقریب کے سٹیج سیکرٹری و مشرف تخصصات)، مفتی ذاکر حسن نعمانی، مولانا مفتی اسماعیل طورو، مولانا مفتی اجمل غنی صاحب ،مولانا مفتی عبدالصبور صاحب ، مولانا صاحب علی صاحب ، مولانا

میاں محمد ایاز احمد حقانی، مولانا شاد محمد شاد صاحب، مفتی رحیم اللہ، مولانا لقمان الحق صاحب، مولانا عرفان الحق صاحب، مولانا عبدالحق ثانی، مولانا ڈاکٹر بلال صاحب (آسٹریا یونیورسٹی)، ڈاکٹر وقاص احمد (بین الاقوامی بلاگر)، مولانا مفتی ڈاکٹر شوکت اللہ خٹک، مولانا حزب اللہ صاحب (منتظم تقریب)، مولانا مفتی یاسر نعمانی صاحب (میڈیا کوارڈینیٹر)، مفتی یونس الوزئی (سوشل میڈیا)، مولانا محمد اسلام حقانی، مولانا شوکت علی حقانی صاحب، جناب بابر حنیف، صاحبزادہ محمد احمد سمیع، مولانا محمد ولی، مولانا قاری حمایت الحق، مفتی اسامہ (شعبہ تخصص فی الفقہ)، مفتی ذکا الرحمٰن، مولانا ظہور احمد، مولانا عبداللہ، مولانا عطا اللہ قاسمی، مفتی عبدالصمد قاسمی، مفتی عبدالاحد قاسمی، مفتی فرید احمد، مفتی عبدالرحمٰن ودیگر مہمانان گرامی اور طلبا تخصصات نے شرکت فرمائی اور اپنے اپنے تاثرات پیش کئے۔

جامعہ میں آئندہ سال درجہ موقوف علیہ اور دورہ حدیث کے اسباق اردو زبان میں پڑھانے کا انقلابی فیصلہ

جامعہ حقانیہ کے آئندہ نئے تعلیمی سال ۲۰۲۶ کے حوالے سے تعلیمی کمیٹی کا ایک اہم اجلاس گزشتہ دنوں منعقد ہوا جس کی صدارت حضرت مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا انوارالحق صاحب مدظلہ نے فرمائی، اجلاس میں راقم نے دارالعلوم حقانیہ کی بین الاقوامی حیثیت کے پیش نظر یہ تجویز پیش کی کہ آئندہ تعلیمی سال میں درجہ موقوف علیہ اور دورہ حدیث کے اسباق اردو زبان میں پڑھائے جانے چاہئیں کیونکہ ہر سال پاکستان اور دیگر ممالک سے سینکڑوں طلبا دارالعلوم میں داخلے کے خواہش مند ہوتے ہیں چونکہ دارالعلوم میں عربی متن کے علاوہ تشریحات اکثر مقامی زبان پشتو میں ہوتی ہیں جس کے باعث ملک کے باقی حصوں کے اکثر طلبا داخلے اور علمی استفادے سے محروم رہ جاتے ہیں جس پر کمیٹی کے ارکان اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے میری تجویز پر یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ آئندہ سال درجہ موقوف علیہ اور دورہ حدیث کی کلاسوں میں بھی اردو زبان میں درس کا سلسلہ ان شاء اللہ شروع کیا جائے گا۔ نیز شعبہ تخصصات کی تمام شعبوں اور کلاسوں میں اردو زبان میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا جائے گا۔(اس سال بھی معهد اللغة العربیه کے تحت ابتدائی دو درجے عربی میں پڑھائے گئے)اب اردو سمجھنے والے طالب علم مذکورہ بالا اِن دو درجوں میں داخلے کے لئے جامعہ کے قواعد و ضوابط کے مطابق درخواست دے سکتے ہیں۔باہر ممالک کے طلبا کیلئے بھی اس انقلابی فیصلے سے دارالعلوم حقانیہ سے فیض یاب ہونے کا موقع میسر آئے گا۔

جامعہ اشرفیہ کے مہتمم حضرت مولانا فضل الرحیم اشرفی صاحبؒ کا سانحہ ارتحال

عالم اسلام اور اہل پاکستان کے لئے اسلامی سال ۱۴۴۷ھ عام الحزن ثابت ہوا ہے، غزہ کے لاکھوں شہداء کا حادثہ فاجعہ اور پاکستان کے صفحہ اول کے بڑے بڑے علماء، اکابرین، صالحین پے در پے اس سال ہم سے جدا ہوگئے، ابھی اُن حضرات کے صدمے کی کسک کم نہیں ہوئی تھی اور صف غم بچھی ہوئی تھی کہ ایک اور عظیم سانحہ فاجعہ کا سامنا کرنا پڑا، یہ پاکستان اور عالم اسلام کے عظیم دینی، علمی وروحانی مرکز جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحیم اشرفی نور اللہ مرقدہ کا سانحہ ارتحال تھا جس نے شدت غم سے نہ صرف کمر توڑی بلکہ صبر ورضا کا بندھن بھی توڑ دیا......

آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رُخ زیبا لے کر

آپ جامعہ اشرفیہ لاہور کے سربراہ تو تھے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمارے خاندان اور دارالعلوم حقانیہ کے سرپرستوں میں بھی آپ کا خصوصی شمار ہوتا تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن اشرفیؒ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) کا حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ کے ساتھ جو پون صدی قبل قلبی تعلق اور رشتہ الفت ومحبت قائم ہوا تھا حضرت علامہؒ نے اِسے عمر بھر خوب نبھائے رکھا بلکہ مزید پروان چڑھایا۔ بچپن ہی سے لاہور آنا جانا بہت زیادہ تھا، راقم اور برادر مکرم مولانا حامد الحق شہیدؒ کو آپ کی خصوصی شفقت ومحبت جھولیاں بھر بھر کر میسر رہیں، میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی جدائی سے صرف برادر مکرم استاد الحدیث حضرت مولانا محمد زبیر اشرفی (نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ) یتیم نہیں ہوئے بلکہ ہم بھی ایک بہت بڑے مشفق اور مہربان ہستی اور تایا جان کی الفتوں سے محروم اور یتیم ہو گئے ہیں۔ آپ شدید کمزوری اور بیماری کے باوجود ڈیڑھ سال قبل جامعہ دارالعلوم حقانیہ میری درخواست پر تشریف لائے اور طلباء سے خطاب فرمایا اور ہمارے کچھ مسائل میں خصوصی دلچسپی لے کر سرپرستی اور معاونت فرمائی، حضرت مولانا فضل الرحیم نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے متعدد علمی، روحانی اور اخلاقی کمالات وصفات سے مزین فرمایا تھا۔ زندگی بھر قال اللہ قال الرسول میں آپ مستغرق ومنہمک رہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کا روایتی وروحانی عکس آپ کی شخصیت میں جھلکتا تھا، شریعت ومعرفت کے جام سے اس پیر مغاں نے پیاسی مخلوق کو آخر دم تک سیراب کئے رکھا۔ اصلاح خلق ومعاشرہ آپ کا اوڑھنا بچھونا رہا۔ لاہور، پنجاب بلکہ یورپ وامریکہ تک آپ نے جامعہ اشرفیہ

کے فضلاء کو تعلیم و تربیت سے نواز کر اسلام کی خدمت کے لئے ہر جگہ بھیجا۔ میاں محمد شریف مرحوم اور سابق وزیراعظم میاں محمد نواز شریف، موجودہ وزیراعظم میاں محمد شہباز شریف، سابق وزیراعظم چوہدری شجاعت حسین، سابق وزیراعلیٰ چوہدری پرویز الٰہی و دیگر متعدد سیاستدان اور حکمران آپ کے حلقہ ادارت میں تھے۔ آپ کی وفات کے بعد تعزیت کے سلسلے میں ہر مکتب فکر کے قائدین جامعہ اشرفیہ حاضر ہوئے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی شخصیت میں کس قدر اعتدال اور جامعیت تھی۔ آپ ایک بہترین مدرس، منتظم، شیخ الحدیث اور قرآن بورڈ حکومت پنجاب کے چیئرمین، عالمی رابطہ ادب اسلامی پاکستان کے صدر، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سرپرست، سابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل اور متعدد علمی، دینی، اصلاحی، روحانی کتب کے مصنف بھی تھے۔

آخری مرتبہ ۱۹۹۸ء کو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رابطہ عالم اسلامی پاکستان کی دعوت پر جامعہ اشرفیہ تشریف لائے تو قیام جامعہ اشرفیہ ہی میں رہا، مجھ ناچیز کو بھی یہ شرف حاصل ہوا کہ اپنے محبوب اور آئیڈیل شخصیت کی صحبت میں پانچ دن خدمت میں گزارے۔ یہ حضرت مولانا فضل الرحیم صاحبؒ کی مقناطیسی شخصیت اور اعجاز تھا کہ حضرت مولانا جیسی عظیم شخصیت بیماری کے باوجود ان کی دعوت پر پاکستان تشریف لائی اور یہاں پر رابطہ کے پلیٹ فارم سے اہل علم کے اجتماعات منعقد ہوئے اور حضرت مفکر اسلام نے لوگوں کے مردہ دلوں میں اپنے افکار و مواعظ سے تازگی و حرارت پیدا کی، اسی طرح ملک میں ہر نازک موقع پر میرے عظیم والد ماجد حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ مختلف اجتماعات و تقریبات منعقد کرتے تو حضرت مرحوم فوراً اس پر لبیک کہتے اور بھرپور شرکت و تعاون فرماتے۔ جامعہ اشرفیہ اور اس کے ارباب اہتمام نے ہمیشہ اہم موقع پر قائدانہ کردار ادا کیا ہے، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے پلیٹ فارم کو بھی حضرت مولانا فضل الرحیمؒ نے اپنی خدمات اور مسلسل سرپرستی سے مضبوط بنایا۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی تمام دینی خدمات کو قبول فرمائے اور اشرفی خاندان کے تمام پسماندگان بالخصوص برادر محترم مولانا محمد زبیر حسن صاحب، حضرت مولانا ارشد عبید صاحب، حضرت مولانا اسعد عبید صاحب، حضرت مولانا اجود عبید صاحب اور جامعہ کے دیگر اساتذہ و مشائخ سے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور خانوادہ حقانی نہ صرف دلی تعزیت کرتا ہے بلکہ خود کو بھی تعزیت کا مستحق سمجھتا ہے۔

يَاأَيَّتُهَاالنَّفسُ المُطمَئِنَّةُ ارجِعِي اِلىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرضِيَّة فَادخُلِي فِي عِبَادِي وادخُلِي فِي جَنَّتِي ۔

پیرِ طریقت، مرجع خلائق، روحانی شخصیت

حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحبؒ کی رحلت

۲۰۲۵ء عالم اسلام اور پاکستان کے لئے عام الحزن کا سال ہے، سال کے شروع میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں برادرم حضرت مولانا حامد الحق شہیدؒ ساتھیوں سمیت بے گناہ خون میں نہلا دیئے گئے، اسی طرح سارا سال غزہ میں خون کی برسات جاری رہی، پھر جاتے جاتے ماہ دسمبر میں حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندیؒ، حضرت مولانا پیر عبدالرحیم نقشبندیؒ کے صدمات ابھی تازہ تھے اور ابھی صف ماتم بچھی ہوئی تھی کہ بروز پیر، ۲۹ دسمبر ۲۰۲۵ء کو ایک اور عظیم جانکاہ حادثے نے خرمن عقل و دانش پر صاعقہ گرا دیا۔ یہ عالمِ اسلام کی عظیم علمی و روحانی شخصیت، پیرِ طریقت حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب کا سانحہ ارتحال ہے۔ (إنا للّٰه وإنا اليه راجعون)

حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالمِ اسلام میں ایک ممتاز روحانی پیشوا، جید عالمِ دین، نامور مفتی اور صاحبِ طرز مصنف کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے، آپ کی حیاتِ مبارکہ علم، عمل، تقویٰ، اخلاص اور خدمتِ دین کا روشن نمونہ تھی۔ آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے خلیفہ مجاز تھے اور اسی نسبت سے آپ کا علمی و روحانی سلسلہ برصغیر کے اکابرِ اہلِ علم و تصوف سے جا ملتا ہے۔ آپ جامعہ زکریا دارالایمان، کربوغہ شریف، ہنگو کے شیخ الحدیث اور مہتمم کی حیثیت سے طویل عرصہ تک تدریس و انتظامی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سرپرستوں میں بھی شامل رہے، جہاں آپ کی رائے اور رہنمائی کو غیر معمولی وقعت حاصل تھی۔

عصرِ حاضر میں تزکیہ نفس، احسان اور سلوک کے میدان میں حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحبؒ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کی خانقاہ اصلاح و تربیت کا ایسا مرکز تھی جہاں سال بھر ذکر و فکر، مجاہدہ و مشاہدہ اور اخلاقی تربیت کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ملک کے مختلف حصوں بلکہ بیرون ممالک سے بھی طالبانِ حق اپنی روحانی اصلاح کے لیے اور تشنگان علم علمی پیاس بجھانے کے لئے کربوغہ شریف کا رخ کرتے اور آپ کی صحبتِ فیض اور علوم و برکات سے مستفید ہوتے۔

حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحبؒ ایک صاحبِ قلم عالم بھی تھے، آپ نے دو درجن

سے زائد کتب مختلف دینی، علمی اور اصلاحی موضوعات پر تصنیف فرمائیں جو آج بھی اہلِ علم اور سالکینِ راہ کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔ آپ کی تحریروں میں سادگی، گہرائی اور اخلاص نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔ آپ کے خلفا اور مستفیدین میں پاکستان کی نامور علمی، دینی اور سماجی شخصیات شامل ہیں جو آپ کے مشنِ اصلاح و تربیت کو آگے بڑھا رہے ہیں، بلاشبہ آپ کی وفات سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پر ہونا بظاہر مشکل نظر آتا ہے تاہم آپ کی علمی و روحانی خدمات ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

حضرت پیر صاحب نور اللہ مرقدہ نے حضرت مولانا سعید اللہ شاہ مدظلہ، حضرت مولانا سید عدنان کاکا خیل، حضرت مولانا عبدالغفار، مفتی عبید الرحمٰن، مفتی عبیداللہ اٹک، لائق وفائق جانشین صاحبزادہ مفتی زبیر، مفتی نور الودود صاحبان جیسے ہزاروں دیگر علما وصلحا کی ایک عظیم روحانی وعلمی جماعت تیار کی ہے جو امت مسلمہ کی رہنمائی اور اصلاحی تربیت کر رہی ہے۔ میرا بیٹا حافظ محمد احمد بھی کئی سالوں سے آپ کے حلقہ ارادت میں شامل تھا اور گزشتہ کئی برسوں سے رمضان میں آپ کے ہاں اعتکاف کی سعادت حاصل کرتا رہا ہے۔ آپ کی محبتوں اور خصوصی عنایات سے برخوردار نے کافی استفادہ کیا ہے، اِس کے ذریعے سے حضرت کے ساتھ ہمارا رابطہ رہتا۔ حضرت پیر صاحبؒ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے خصوصی سرپرستان اور دعاگو بزرگ بھی تھے، آپ حضرت والد ماجد شہیدؒ کی حیات میں متعدد بار جامعہ حقانیہ تشریف لاتے رہے، مجھ عاجز گناہگار کے ساتھ بھی خصوصی شفقت ومحبت کا اظہار فرماتے جو میرے لئے سرمایہ صدافتخار ہے۔ آپ آخری بار میرے غریب خانے پر بھی تشریف لائے تھے اور مجھے، محمد احمد اور مولانا عبدالحق ثانی کو دعاؤں سے نوازا تھا۔ اسی طرح آپ حضرت والد ماجد مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شہادت کے بعد پشاور میں منعقدہ ''حیات وخدمات مولانا سمیع الحق کانفرنس'' میں شریک ہوئے تھے۔ پھر برادر مکرم مولانا حامد الحق شہیدؒ کی وفات پر آپ دارالعلوم تشریف لائے اور تعزیتی خطاب بھی فرمایا جو کہ نذر قارئین ہے:

''یہ صرف حضرت شیخ مولانا عبدالحق صاحبؒ کے خاندان کا غم نہیں بلکہ یہ پوری امت مسلمہ، تمام مسلمانوں اور ہم سب کا اپنا غم ہے، ہم سب ان کے ساتھ اس غم میں شریک ہیں، مجھے جب مغرب کے بعد ان کی شہادت کی اطلاع ملی اس وقت سے میں اتنا بے قرار تھا کہ ہمارے بھتیجوں اور بیٹوں سب کو اس کا پتہ ہے، یہ بے قراری صرف مجھے نہیں بلکہ جو بھی مسلمان ہوگا وہ اس پر اتنا ہی غمزدہ ہوگا، یہ بہت بڑی آزمائش ہے، یقیناً ایسے لمحات میں ہمیں صبر کرنا چاہیے، اللہ رب العالمین حضرت مولانا حامد الحق صاحبؒ کی شہادت کو قبول فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے، ان کے خاندان والوں کو اور ہم سب مسلمانوں کو صبر جمیل

نصیب فرمائے اور اس پر اجر جزیل نصیب فرمائے۔(آمین)

میرے معزز ساتھیو! یہ ایک ایسا وحشت ناک اور سفاک حملہ ہے کہ ان لوگوں نے جنہوں نے یہ کیا ہے، انہوں نے مسجد کے تقدس کو نہ دیکھا، آپ اندازہ لگائیں کہ اس ملک میں جو ایک اسلامی ملک ہے، انہوں نے نہ جمعہ کا لحاظ رکھا اور نہ یہ خیال رکھا کہ ابھی ابھی ہم نے نماز پڑھی ہے، نماز سے فارغ ہو چکے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ابھی مجھے بتایا گیا کہ حضرت شہید کی عادت تھی کہ وہ کسی مجبور کو دیکھ کر وہ کچھ پیسے دے دیتے، آپ نے اسی وقت اس کے ہاتھ میں پیسے بھی رکھ دیئے، ایک طرف رمضان ہے، ایسے ہی وقت میں، ایسے ماحول میں اور ایسی پاک جگہ میں ایک مسلمان کو بلا وجہ شہید کر دینا یقیناً کسی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا، یا اللہ! جس نے یہ ظلم کیا ہے، جو اس کی پشت پر ہے، جس نے اس کو سہولت دی جنہوں نے اس کو طریقہ بتایا ہے جس نے ان کو ابھرا ہے، چاہے جو بھی ہو اس کو تباہ و برباد کرے۔(آمین)

یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو حکومت اور ادارے ہیں مجھے ان سے بڑا شکوہ ہے، مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے پہلے اور بعد جتنے علماء شہید ہوئے ہیں، ہمارے مفتی نظام شامزئی صاحبؒ، استاد محترم شیخ الحدیث مولانا حسن جان صاحبؒ اور ہمارے شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید اور آج جو سانحہ ہوا اب تک سینکڑوں مسلمان اور جید علما شہید ہوئے، ان میں سے ایک بھی اصل مجرم کو نہیں پکڑا گیا، آپ مجھے بتائیں کوئی اصل مجرم اب تک پکڑا گیا؟ دعوے کرتے ہیں لیکن اصل مجرم کو کبھی نہیں پکڑا، حالانکہ دوسروں پر جب حملہ ہو جاتا ہے تو ان کے مجرموں کو فوراً پکڑا جاتا ہے۔ ہمارے اداروں کو علماء کی کوئی فکر نہیں ہے، اس پر ہم افسوس ہی کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان اداروں کو بھی ہدایت دیدے، چوکنا کردے کہ وہ اس سے بے فکر نہ رہیں، گویا کہ ہم علماء ان کی عوام ہی نہیں ہیں۔ اس پر انہوں نے کبھی کسی کو نہیں پکڑا، بس چند دن غوغا، شور شرابا ہو جاتا ہے، ادھر ادھر کی باتیں ہو جاتی ہیں اور پھر بات ہی ختم ہو جاتی ہے لیکن میں آپ کو ایک بات عرض کرتا ہوں یہ ٹھیک ہے کہ اس میں ادارے ناکام ہیں، حکومتیں ناکام ہیں لیکن میں آپ تمام مسلمانوں کو ایک عرض کرتا چلوں کہ مسلمان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے، مسلمان مایوس نہیں ہوتا غمگین ضرور ہوتا ہے کیونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی کسی کے میت پر غمگین ہو چکے ہیں، آنسو بہہ رہے ہیں لیکن مایوس نہیں ہیں کیونکہ مایوسی کفر ہے۔ اگرچہ ہم حکومتی اداروں اور حکمرانوں سے مایوس ہو چکے ہیں لیکن آپ اللہ سے ناامید نہ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہو جائیں، یہ وقت ہماری مایوسی کا نہیں ہے بلکہ بیداری کا ہے

کہ ہم بیدار ہو جائیں، ہم اپنی صفوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کریں اور ہم ایمان وتقوی اور باہمی اتفاق کی راہ کو مضبوطی سے پکڑیں ، اگر ہم نے ایمان کا مظاہرہ کیا ،ایمان اورتقوی پر جمے رہے تو بالکل بے فکر رہیں، یہ اللہ کا وعدہ ہے: وان تصبروا و تتقوا لا یضر کم شیأ اگر تم حق پر جمے رہواور تم تقوی اختیار کرو تو تم کو کوئی کافر نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور جو کفار ہیں ان کی سازشیں تمہارے حق میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گی۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العالمین مولانا حامد الحق شہیدؒ کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، جتنے لوگ اس غم میں شریک ہیں ان سب کو غموں سے بچائے ، اس غم کے بدلے ہم سے جو بڑی نعمت چھن گئی ہے اس نعمت کا نعم البدل اس پورے خاندان کو اور تمام مسلمانوں کو دے۔ (آمین)

حضرت پیر صاحبؒ نے اللہ ہو کی صداؤں اور آہِ سحر گاہی کے ہنگاموں سے اس ویرانے کو آباد کیا تھا اور اپنے خون جگر کی گرمی ،سوز وساز کی مستی اور دعوت وتبلیغ کی برکت سے کربوغہ کی وادی غیر ذی ذرع کو نغمہ توحید سے شاداب اور ذی ذرع بنایا تھا۔ خدا نہ کرے کہ یہ وادی دوبارہ خشک اور بنجر ہو اور میخانہ معرفت پہ تالے پڑیں۔ حضرت اقبالؒ کے روح پرور دل سوز اشعار نہ جانے کیوں نوکِ قلم کی زباں اور دل کی تختی پر ماتم کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علامہؒ کے یہ چند اشعار اپنے باذوق اور شریک غم بھائی مولانا عدنان کاکاخیل ،حضرتؒ کے عقیدتمندوں اور مریدوں کی نذر کر رہا ہوں......

تھا جنہیں ذوقِ تماشا، وہ تو رخصت ہو گئے
لے کے اب تو وعدہ دیدارِ عام آیا تو کیا

انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اٹھ گئے
ساقیا! محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا

آہ! جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چکی
پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا

آخرِ شب دید کے قابل تھی بِسمل کی تڑپ
صبحدم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصودِ ہر پروانہ تھا
اب کوئی سودائیِ سوزِ تمام آیا تو کیا

خیر، تو ساقی سہی لیکن پِلائے گا کسے
اب نہ وہ مے کش رہے باقی نہ میخانے رہے

رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مِینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنوں پرور جہاں
رقص میں لیلیٰ رہی، لیلیٰ کے دیوانے رہے

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر ان کے مِٹ گئے آبادیاں بن ہو گئیں

مولانا انیس الرحمٰن ندوی *

زمین کی شکل کیسی ہے؟ چپٹی، گول یا بیضوی؟

قدیم وجدید نظریات کا ایک جائزہ اور قرآنی بیانات کا اعجاز

انسانی تاریخ میں زمین کی شکل کے بارے میں مختلف نظریات رائج رہے ہیں، قدیم تہذیبوں میں ہماری زمین کے متعلق مختلف نظریات رائج تھے، جبکہ جدید سائنسی تحقیقات نے اس تصور کو حقیقت کے قریب تر کر دیا ہے، اس مضمون میں ہم زمین کی ساخت کے بارے میں قدیم فلاسفہ اور مفکرین کی آراء، مذہبی نقطہ نظر (بائبل اور قرآن کے بیانات) اور جدید سائنسی شواہد کا جائزہ لیں گے اور آخر میں ہم قرآن وحدیث اور جدید سائنسی تحقیقات کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کریں گے۔

قدیم نظریات

قدیم مصری اور بابلی مفکرین زمین کو ایک چپٹی ڈسک سمجھتے تھے جو پانی پر تیر رہی ہے، وہ آسمان کو ایک گنبد کی طرح تصور کرتے تھے جس پر ستارے جڑے ہوئے ہیں، ہندومت اور بدھ مت کی بعض تحریروں میں زمین کو ایک وسیع چپٹی سطح بتایا گیا ہے جو کائناتی پہاڑوں اور سمندروں کے درمیان واقع ہے اور جس کے نیچے کچھوے یا سانپ اسے سنبھالے ہوئے ہیں۔ پہلے دور میں یونانی مفکرین (جیسے انیگزیمینڈر Anaximander اور ہیسیوڈ Hesiod) زمین کو چپٹی اور تخت کے مانند تصور کرتے تھے، بعد میں فیثا غورث (۵۰۰ ق م) اور ارسطو (۳۵۰ ق م) جیسے فلسفیوں نے کہا کہ زمین گول ہے،،

بائبل کے مطابق ہماری زمین چپٹی ہے، زمین کے چپٹی ہونے پر بائبل کے کئی بیانات موجود ہیں:

(الف) بائبل میں ہے کہ ہماری زمین کے چار کنارے ہیں جس پر چار فرشتے متعین ہیں۔ (مکاشفہ ۱:۷)

"And after these things I saw four angels standing on the four corners of the earth, holding the four winds of the earth, that the wind should not blow on the earth, nor on the sea, nor on any tree."(Revelation 7:1)

---

* جنرل سکریٹری، فرقانیہ اکیڈمی وقف، وایڈیٹر مجلّہ تعمیر فکر، بنگلور-۲۹

''ان باتوں کے بعد میں نے دیکھا کہ چار فرشتے زمین کے چار کونوں پر کھڑے ہیں اور زمین کی چاروں ہواؤں کو روکے ہوئے ہیں تاکہ نہ زمین پر ہوا چلے، نہ سمندر پر، اور نہ کسی درخت پر۔''

(ب) بائبل میں ایک جگہ زمین کے کناروں کو پکڑنے اور تھامنے کی بات کہی گئی ہے۔ (ایوب: ۳۸: ۱۳-۱۴)

(ج) بائبل میں ایک ایسے درخت کا تذکرہ ہے جو پوری زمین سے نظر آتا ہے۔ (دانی ایل ۴: ۱۰-۱۱)
یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب کہ زمین گول نہیں بلکہ چپٹی ہو۔

لہٰذا عیسائی دنیا میں ماضی قریب یعنی سترھویں صدی عیسوی تک یہی نظریہ رائج رہا کہ زمین چپٹی ہے کیونکہ بائبل کے مذکورہ بالا نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری زمین چپٹی ہے، بائبل کا یہی نظریہ عہد قدیم سے لے کر سترہویں صدی تک یورپ میں رائج رہا، اگر کوئی بھی یہ دعویٰ کرتا کہ زمین گول ہے یا کائنات زمین کے گرد نہیں گھومتی، تو انہیں کلیسا کی جانب سے سخت ترین اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

زمین کے چپٹی ہونے کے متعلق شاید بائبل کے اسی نظریہ ہی کا اثر ہے کہ آج بھی یورپ اور امریکہ کی ایک خاطر خواہ آبادی زمین کے چپٹی ہونے کا عقیدہ رکھتی ہے لہٰذا ایک سروے کے مطابق امریکہ کی دس فیصد آبادی، انگلینڈ کی تین فیصد آبادی اور برازیل کی سات فیصد آبادی یہ نظریہ رکھتی ہے کہ زمین چپٹی ہے، یہ لوگ یہ نظریہ بھی رکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص انٹارکٹیکا کے برفانی پہاڑ پار کر جائے تو وہ زمین کے کناروں سے نیچے گر جائے گا۔

زمین کے کرہ ہونے کا تصور مسلم عہد میں

مسلمان سائنسدانوں کے یہاں آٹھویں صدی عیسوی ہی میں یہ بات ایک مسلمہ حقیقت بن چکی تھی کہ زمین کرہ نما یعنی spherical ہے، مسلمان سائنسدانوں نے زمین کے گول ہونے پر نہ صرف یقین رکھا بلکہ اس پر علمی اور سائنسی تحقیقات بھی کیں اور اسے ثابت بھی کیا۔ اس کی کچھ تفصیلات حسب ذیل ہیں:

خلیفہ مامون (۷۸۶ء-۸۳۳ء) کے حکم سے بیت الحکمہ کے سائنسدانوں نے زمین کے محیط کی پیائش کی تو انہوں نے اس کا اندازہ 40,248 کلومیٹر لگایا۔ اسی طرح البیرونی (۹۷۳-۱۰۴۸ء) نے زمین کا محیط معلوم کرنے کا ایک نیا طریقہ استعمال کرتے ہوئے ہندوکش پہاڑ سے ایک زاویہ ناپ کر ایک سادہ جیومیٹری کی مدد سے بتایا کہ زمین کا محیط 40,250 کلومیٹر ہے۔ یہ دونوں تخمینے جدید

اندازے (40,075 کلومیٹر) سے بہت قریب ہیں۔ (کتاب تحقیق ماللہند، بیرونی)

مشہور ماہر فلکیات الفزاری نے فلکیاتی جدولین zijes تیار کیں جو زمین کے گول ہونے کو مد نظر رکھ کر تیار کی گئی تھیں یہی حال الخوارزمی کی جدولوں کا ہے جو بعد میں یورپ میں Algoritmi کے نام سے مشہور ہوئیں۔

مشہور فلسفی اور طبیب ابن سینا (۱۰۳۷ء۔۹۸۰ء) نے زمین کے گول ہونے پر دلائل دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''زمین کی سایہ داری چاند گرہن کے دوران کروی شکل کی ہوتی ہے جو اس کے گول ہونے کی دلیل ہے۔''

امام غزالیؒ، امام رازیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، ابن حزمؒ اور ابن خلدون وغیرہ نے زمین کے گول ہونے کی تائید کی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے واضح الفاظ میں لکھا ہے: ''علماء کا اجماع ہے کہ زمین، خشکی اور سمندر سمیت مکمل طور پر گول (کرہ) ہے۔'' (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۹۵/۲۵)

مسلمانوں کے یہاں نہ صرف زمین کا گول ہونا مسلم تھا بلکہ مسلمانوں نے زمین کے جغرافیائی خدوخال، براعظم، سمندر، پہاڑ اور ملکوں اور شہروں کو ظاہر کرنے کے لئے سب سے پہلے گلوب کو ایجاد کیا۔ گلوب کے ذریعہ مسلمان سائنسدانوں نے زمین اور آسمان کی کروی اشکال spherical models تیار کیں۔ یہ گلوب نہ صرف فلکیاتی مشاہدے کے لئے استعمال ہوتے تھے بلکہ یہ اسلام کے عباداتی نظام (مثلاً قبلہ کا رخ اور اوقات نماز کے تعین) میں بھی نہایت اہم کردار ادا کرتے تھے۔

الخوارزمی (۸۵۰۔۷۸۰ء) نے ریاضیاتی بنیادوں پر گلوب کا تصور پیش کیا اور طول البلد longtitude اور عرض البلد latitude کا جدید نظام متعارف کرایا اور اسطرلاب کے ذریعہ زمین کی پیمائش کی، زمینی نقشوں کی گلوب سازی کیلئے ضروری اہم ترین علم کروی مثلثیات spherical trignometry مسلمانوں کے خاص علوم میں سے ایک ہے۔ اس علم کو ایجاد کرنے اور اسے ترقی دینے کا سہارا جن مسلمان سائنسدانوں کے سر ہے ان میں الخوارزمی، ابوالوفا، ابن یونس (۱۰۰۹ء۔۹۵۳ء) اور نصیر الدین طوسی (۱۲۷۴ء۔۱۲۰۱ء) قابل ذکر ہیں۔ ان ریاضی دانوں اور سائنسدانوں کے کوششوں نے گلوب سازی میں اہم رول ادا کیا۔

مسلم دور کے ان گلوبوں میں الفزاری (آٹھویں صدی)، الخازنی (۱۲ ویں صدی) اور

الادریسی (۱۲ ویں صدی) کے گلوب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ الفزاری پہلا مسلمان گلوب ساز مانا جاتا ہے، اس نے فلکیاتی گلوب spherical globe تیار کیا جو آسمانی اجسام کے مشاہدے کے لئے تھا، الخازنی نے گلوب سازی میں فلکیاتی ومیکانی اصول شامل کئے اور گلوب کو زیادہ درست بنایا، ان کا بنایا ہوا گلوب سائنسی حساب میں استعمال ہوتا تھا۔ خصوصا سمت اور وقت معلوم کرنے کے لئے۔

گلوب سازی میں سب سے عظیم نام الادریسی کا ہے جس نے چاندی silver کا گلوب تیار کیا تھا، اس گلوب میں زمین کو کرہ نما دکھایا گیا ہے جس میں مختلف ممالک، سمندر اور پہاڑ شامل تھے۔ اس کا قطر 1.5 میٹر تھا۔ اس میں دنیا کو آب وہوا کے ۷ خطوں climatic zones میں تقسیم کیا گیا تھا، یہ چاندی کا گلوب تھا جس پر زمین کے خدوخال نقش کئے گئے تھے۔ الادریسی نے اس گلوب کو تیار کرنے میں اپنے دور کی تمام جغرافیائی معلومات سے استفادہ کیا تھا اور اس میں افریقہ، یورپ، ایشیا اور دیگر خطوں کی انتہائی دقیق معلومات فراہم کی گئیں تھیں۔ یہ گلوب اس وقت کی دنیا کا ایک عظیم کارنامہ اور شاہکار تصور کیا جاتا ہے۔ یورپ میں یہ گلوب کئی سو سال تک استعمال ہوتا رہا۔ اس نے یورپی نشاۃ ثانیہ میں ایک اہم رول ادا کیا۔ کولمبس، واسکوڈا گاما اور دیگر یورپی سیاحوں نے اس سے بھرپور استفادہ کیا۔ اس طرح اسلامی دور میں گلوب سازی نے نہ صرف جغرافیائی علم کو فروغ دیا بلکہ سائنسی انقلاب کی راہ بھی ہموار کی۔

یہاں یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ اسلامی دنیا میں جہاں فلکیات، علم جغرافیہ اور دوسرے سائنسی علوم میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہورہی تھیں، وہیں یورپ میں سترہویں صدی تک یہ نظریہ رائج تھا کی زمین گول نہیں چپٹی ہے۔ جس کی وجہ اہل کلیسا اور بائبل کے وہ نظریات تھے جن پہلے بیان کیا جاچکا ہے، لہٰذا کسی کو اس کی مخالفت کرنے کی اجازت نہیں تھی، سترہویں صدی میں اگرچہ نیوٹن کے بعد یورپ میں زمین کے گول ہونے کا نظریہ رائج ہوا مگر پھر بھی یورپ کے بعض علمی حلقوں میں یہ مسئلہ برابر اٹھتا رہا کہ زمین چپٹی ہے۔ اس موضوع پر یورپ میں اب بھی کتابیں شائع ہورہی ہیں اور وہ کافی مقبول بھی ہیں، ان کتابوں میں ۱۸۶۵ میں سموئیل روبوتھم Samuel Rowbotham کی لکھی گئی کتاب Earth is not a globe اور ۱۸۸۵ میں لکھی گئی کتاب One Hundred Proofs that the Earth is Not a Globe منظر عام پر آئی جس کے مصنف William Carpenter ہیں، ان دونوں کتابوں میں بائبل اور سائنس کے حوالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہماری زمین گول نہیں بلکہ چپٹی ہے۔

زمین کروی ہے یا بیضوی؟

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق زمین مکمل طور پر گول نہیں ہے بلکہ وہ ایک بیضہ نما کرہ oblate spheroid ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کے قطبین poles کچھ دبے ہوئے ہیں اور خط استوا equator پھیلا ہوا ہے، خط استواء پر زمین کا یہ ہلکا پھیلاؤ زمین کا اس کے اپنے محور کے گرد گرد گردش کی وجہ سے ہوتا ہے، اپنی اس گردش کی وجہ سے کرۂ ارض کا استوائی قطر قطبی قطر سے تقریباً ۴۳ کلومیٹر زیادہ ہے۔ لہذا، زمین شکل میں اگرچہ تقریباً گول ہے مگر ٹیکنیکی طور پر وہ بیضوی کرہ oblate spheroid ہے۔

زمین کی ساخت اور شکل پر قرآن کے بیانات

زمین کی شکل و ہیئت کے متعلق ان قدیم وجدید نظریات پر بحث کے بعد آیئے اب ہم قرآن کا رخ کرتے ہیں تا کہ یہ دیکھیں کہ وہ اس سلسلے میں کیا کہتا ہے۔ قرآن میں صراحتا کہیں بھی یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ زمین چپٹی ہے، یا گول یا بیضوی؟ البتہ اس سلسلہ میں قرآن کے ایسے بیانات موجود ہیں جن سے زمین کا کرہ نما spherical یا بیضہ نما oblate spheroid ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض بیانات حسب ذیل ہیں۔

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ(الزمر: ۳۹)

''اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے۔''

اس آیت میں استعمال کیا گیا لفظ ''کور، یکور، تکویرا'' کے معنی ہیں: ''کور الشئ إدارته وضم بعضه إلى بعض ككور العمامة'' (المفردات فی غریب القرآن، اصفهانی، ص ٤٤٣،) '' کسی چیز کو اس طرح لپیٹنا اور ایک دوسرے سے ملا دینا جیسے عمامہ کو لپیٹ کر سر پر باندھا جاتا ہے۔''

اس آیت میں فطرت کے دو مظاہر کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ پہلا ''رات کو دن پر لپیٹنا'' اور دوسرا ''دن کو رات پر لپیٹنا''، یعنی رات کے ذریعہ دن کو ختم کرنا اور دن کے ذریعہ رات کو ختم کرنا، یہ دونوں مظاہر ہماری زمین پر بیک وقت رونما ہو رہے ہیں، مثلاً ہندوستان میں صبح کے پانچ یا چھے بجے

جب رات کا خاتمہ ہوکر دن نمودار ہورہا ہوتا ہے اسی وقت کرۂ ارض کی دوسری جانب یعنی امریکہ میں شام کے پانچ یا چھے بجے غروب آفتاب کے ذریعہ دن ختم ہوکر رات نمودار ہورہی ہوتی ہے، یہ دونوں مظاہر کرۂ ارض پر ہمہ وقت جاری رہتے ہیں اور چوبیس گھنٹوں میں ایک مرتبہ دن اور رات کی یہ گردش کرۂ ارض کا پورا ایک چکر مکمل کرلیتے ہیں ۔ یہاں پر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں مظاہر زمین پر بیک وقت اسی وقت جاری رہ سکتے ہیں جبکہ ہماری زمین گول ہو یا بیضوی ہو۔ زمین کے چپٹی ہونے کی صورت میں یہ مظاہر ظاہر نہیں ہوسکتے لہٰذا اس قرآنی بیان سے ان دونوں مظاہر یعنی زمین کے کروی ہونے یا بیضوی ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید میں ایک اور آیت وارد ہوئی ہے جس سے زمین کے بیضوی ہونے کا مفہوم نکلتا ہے۔ یہ آیت حسب ذیل ہے:

وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا (النازعات: ۳۰) ''اور اس کے بعد زمین کو اس نے پھیلایا۔''

اس آیت میں مستعمل لفظ "دحو" کے معانی عربی لغت میں بہت وسیع ہیں۔ اس کے ایک معنی پھیلانے، بچھانے اور ہموار کرنے کے ہیں جبکہ اس کے دوسرے معنی کسی چیز کو بیضہ نما یا بیضوی شکل میں بنانے کی ہیں: دحا الله الأرض: بسطها ومدها ووسعها على هيئة بيضة (معجم اللغة العربية المعاصرة، ڈاکٹر احمد مختار، ص۷۲۶)

"دحا الله الأرض کا مطلب ہے اللہ نے زمین کو بچھایا اور اس کو انڈے کی شکل میں پھیلایا۔''

لہٰذا "دحو" کی لغوی معنویت کی رو سے کرۂ ارض کی اس خاص شکل یعنی اس کے بیضوی الشکل ہونے کی طرف خاص اشارہ ہورہا ہے لہٰذا لفظ ''دحاھا'' اپنی لغوی وسعت کے ساتھ ساتھ سائنسی گہرائی بھی رکھتا ہے۔ اس میں زمین کے پھیلاؤ، ہمواری، نباتات کے خروج کے ساتھ ساتھ بیضوی ساخت کا اشارہ بھی ممکن ہے۔ یہ قرآن مجید کی ان آیات میں سے ہے جن میں سادہ الفاظ میں گہری حقیقتیں پوشیدہ ہیں اور جدید سائنس اس کی تصدیق کررہی ہے۔ یہ تفسیر قرآن کے اس پہلو کو اجاگر کرتی ہے کہ اس کی زبان فصیح بھی ہے، فطری بھی اور فکری بھی اور ہر دور کے انسان کو چیلنج دیتی ہے کہ وہ اس کے معانی کی اتاہ گہرائیوں پر غور وفکر کرے۔

قسط (۱)

ڈاکٹر اسعد زمان*

مسلمان معلمین عصری علوم کیسے پڑھائیں؟

مسلم معلم کا منصب: نبوت کی وراثت

ہم جو تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہیں، دراصل ایک نہایت مقدس اور بھاری امانت اٹھائے ہوئے ہیں، وہی امانت جو انبیا علیہم السلام کے سپرد کی گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم بنا کر بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما بعثت معلماً مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے، ہم سب نے یہ بھی سنا ہے کہ قیامت کے دن علما کے قلم کو شہدا کے خون کے ساتھ تولا جائے گا، یہ وعدہ بہت عظیم ہے لیکن اس کے ساتھ ایک سوال ابھرتا ہے، جو نہایت قابلِ غور ہے، کیا ہم جو پڑھا رہے ہیں اور جس انداز سے پڑھا رہے ہیں، وہ واقعی اس اجر کے لائق ہے؟ اکثر ہم اپنی تدریس کو محض ایک پیشہ سمجھ کر انجام دیتے ہیں سلیبس (Syllabus) مکمل کرنا، امتحان کی تیاری کروانا، طلبہ کو ملازمت کے قابل بنانا مگر سوال اٹھتا ہے کہ ہماری کلاسوں میں اللہ کہاں ہے؟ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ آخرت کی تیاری کہاں ہے؟ اگر یہ سب غیر حاضر ہیں تو کیا ہماری تدریس عبادت کہلا سکتی ہے؟ بطور مسلمان ہم یقین رکھتے ہیں کہ قرآن ایک کامل اور ہمہ گیر ہدایت ہے، جو ہر دور کے لیے نازل ہوئی لیکن اپنی عملی زندگی میں ہم نے گویا یہ مان لیا ہے کہ جو علم ہم پڑھاتے ہیں ریاضی، سائنس، معاشیات، عمرانیات اس کا قرآن وسنت سے کوئی تعلق نہیں، ہم اپنے طلبہ کو وہ سب سکھاتے ہیں جو ان کو ملازمتیں حاصل کرنے کیلئے تیار کرتا ہے لیکن یہ نہیں سوچتے کہ کیا یہ علم ان کے ایمان، ان کے کردار اور ان کی روح کو بہتر بناتا ہے؟ یہ مسئلہ صرف کسی ایک کلاس یا ایک مضمون کا نہیں پورا تعلیمی نظام ایسے ڈھانچے پر قائم ہے جس میں اللہ کا ذکر نہیں، آخرت کا تصور نہیں اور علم کا مقصد صرف دنیاوی کامیابی ہے، ہماری خاموشی نادانستہ طور پر یہی پیغام دیتی ہے کہ اسلام کا علم سے، زندگی سے اور ترقی سے کوئی تعلق نہیں۔

---

* وائس چانسلر انسٹیٹیوٹ آف ڈیویلپمنٹ اکنامکس اسلام آباد

میں چالیس سال سے زیادہ مغربی تعلیمی اداروں میں پڑھاتا رہا ہوں اور میری ساری زندگی ہی اس کشمکش میں گزری ہے، ابتدا میں مجھے یہ سمجھ ہی نہیں آتی تھی کہ اسلامی تعلیمات کو اپنی کلاسوں میں کیسے شامل کیا جا سکتا ہے؟ ایسا لگتا تھا جیسے مغربی علم اور ہماری اسلامی علمی میراث دو الگ دنیائیں ہوں، جن کا ایک دوسرے سے کوئی رابطہ ممکن نہیں، ریاضی، شماریات، اکنامکس اور اکنامیٹری جیسے مضامین پڑھاتے ہوئے میں ہزار ہا جستجو اور آرزو کے باوجود اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق ڈھونڈ نہیں سکا، یہ میرے لئے ایک گہرا معمہ بن گیا، آخر ہمارا دین (جو مکمل اور ہمہ گیر ہدایت ہے) اس دنیا کے اہم ترین معاملات پر کیسے خاموش ہو سکتا ہے؟ لیکن جب میں نے اس سوال پر سنجیدگی سے غور کیا اور اپنی تدریس میں ایسے چھوٹے مواقع تلاش کئے جہاں اسلامی نقطہ نظر کو کسی نہ کسی انداز میں شامل کیا جا سکتا تھا تو یہ معمہ آہستہ آہستہ حل ہونے لگا، دہائیوں کے تجربات سے میں نے یہ سیکھا کہ مغربی، سیکولر مضامین میں بھی اسلامی تعلیمات کو اس طرح شامل کیا جا سکتا ہے کہ وہ علم کو گہرا اور بامعنی بنائیں نہ کہ صرف کسی غیر متعلقہ آیت یا دعا سے آغاز واختتام کر کے دکھاوے کی حد تک مذہب کو جوڑ دیا جائے، یہی وہ تجربات ہیں جن کا نچوڑ میں نے اس مضمون میں پیش کیا ہے ان تمام اساتذہ کے فائدے کیلئے جو اپنی تدریس کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں، جو چاہتے ہیں کہ ان کا پڑھایا ہوا علم علمِ نافع بنے، ایسا علم جو طلبہ کے دلوں میں مغرب کی اندھی تقلید کے بجائے اپنی علمی روایت پر اعتماد اور فخر پیدا کرے۔

ہم دراصل کیا پڑھا رہے ہیں؟

چھپے ہوئے نصاب کی نقاب کشائی جب ہم یہ مان لیتے ہیں کہ ہماری تدریس کا رشتہ وحی اور ایمان سے کٹ چکا ہے تو اگلا سوال یہ بنتا ہے کہ آخر ہم دراصل پڑھا کیا رہے ہیں؟ مغربی علوم اپنے آپ کو ایسی آفاقی حقیقتوں کے طور پر پیش کرتے ہیں جنہیں تمام ذی عقل لوگوں کو قبول کرنا چاہیے مگر دراصل ان علوم کے پیچھے ایک مخصوص طرزِ فکر ہے، جو مغرب میں دین کے انکار کے بعد ابھرا تھا، اس بات کو پہچانے بغیر ہم اسی طرزِ فکر کو اپنے طلبہ میں منتقل کر دیتے ہیں، مغربی علوم کے چھپے ہوئے پیغامات میں سے سب سے زیادہ اہم، مرکزی اور کلیدی حیثیت رکھنے والی چیز علم کی تعریف ہے، گو کہ مغربی فلاسفہ نے اس پر بحث کی ہے، ہمارے بچے فلسفہ نہیں سیکھتے، جہاں اس فکر کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، وہ اپنے تعلیمی تجربے سے سیکھتے ہیں علم تو وہ ہے جو انہیں پڑھایا جاتا ہے، وہ دیکھتے ہیں کہ بارہ، سولہ یا بیس سال تک انہیں صرف وہی علم سکھایا جاتا ہے جو اہلِ مغرب نے پچھلی چند صدیوں میں پیدا کیا، اسلامی علوم کا نام ونشان نہیں، ملازمتوں کیلئے بھی یہی علوم کارآمد ہیں اور دنیا پر اہلِ مغرب ہی کا غلبہ ہے، یہ سب باتیں اس بات کی واضح دلیل

ہیں کہ آج کی دنیا میں صرف مغربی علوم ہی کار آمد ہیں، اسلامی علوم کا تعلق صرف آخرت کی کامیابی سے ہے دنیوی معاملات میں وہ ہماری کوئی رہنمائی نہیں کرتے، یہی وہ غیر محسوس پیغام ہے جسے ماہرینِ تعلیم چھپا ہوا نصاب Curriculum Hidden کہتے ہیں، یہ ایک حیران کن معمہ ہے، قرآن کے پیغام نے صحرا نشین بدوں کو دورِ جہالت کی پستیوں سے نکال کر دنیا کا سردار بنا دیا تھا، کیا وہ آج ہمارے دنیوی مسائل کے بارے میں کوئی رہنمائی نہیں کرتا؟ جس طرح پریستان کی داستانوں میں جن کی جان ایک طوطے میں بند ہوتی تھی، اسی طرح ہمارے عقدہ کی گرہ بظاہر ایک غیر متعلق مضمون، یعنی یورپ کی تاریخِ قدیم میں چھپی ہوئی ہے،اس کی تفصیل تو ممکن نہیں مگر ایک مختصر خاکہ پیش کرنا ضروری ہے۔

مغربی تاریخ کا مغربی فکر پر اثر

یورپ میں تقریباً ایک ہزار سال تک کلیسا کو مکمل اقتدار حاصل رہا، بادشاہ بھی پاپائے روم کی مرضی سے حکومت کرتے تھے، اس اقتدار کا انوکھا پہلو یہ تھا کہ کلیسا نے علم پر اجارہ داری قائم کر رکھی تھی اور تعلیم صرف کلیسا کے دائرے میں محدود تھی لیکن گیارہویں صدی سے مسلمان دنیا کے مختلف علوم سائنس، طب، فلسفہ کے تراجم یورپ پہنچنے لگے، یہ علمی خزانہ یورپ کی تاریک صدیوں کیلئے روشنی کا پیغام تھا مگر کلیسا کے لیے خطرہ، اس نے ان تراجم کی سخت مزاحمت کی کیونکہ یہ کلیسا کی علمی بالادستی اور گویا ان کے اقتدار کیلئے خطرہ تھے، بالآخر اس کش مکش سے ایک نیا عیسائی فرقہ پیدا ہوا پروٹسٹنٹس، جنھوں نے کلیسا کی تاریخی روایات کو ٹھکرا دیا تاکہ اس نئے علم کیلئے عیسائیت میں جگہ پیدا کی جا سکے، ان دونوں فرقوں میں زبردست خونریز جنگیں ہوئیں، جنھوں نے صدیوں تک یورپ میں تباہ کاریاں پھیلائیں، ہر طبقہ زندگی امیر و غریب، عوام و حکمران ان جھگڑوں کی لپیٹ میں آیا، ان طویل خانہ جنگیوں نے ایک فکری بحران کو جنم دیا، کچھ یورپی مفکرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جب علم کی بنیاد وحی یا مذہب پر رکھی جاتی ہے تو ہر گروہ اپنی تعبیرِ دین کو واحد حق سمجھ کر دوسرے کو باطل قرار دیتا ہے اور یہی اختلافات جنگوں کی اصل جڑ ہیں،

ان مفکرین کا خیال تھا کہ اگر ہم مذہب کو نجی دائرے تک محدود کر دیں اور اجتماعی زندگی کو ایسے علم کی بنیاد پر استوار کریں جو تمام انسانوں کیلئے یکساں قابلِ قبول ہو مشاہدہ، تجربہ اور عقل تو ہم مستقل اختلافات اور خونریزی سے بچ سکتے ہیں، اسی خیال نے ایک نئے فکری دور کو جنم دیا، جسے عہدِ روشن خیالی (Enlightenment) کہا جاتا ہے، اس دور میں سچائی کا معیار وحی، ضمیر یا وجدان نہیں بلکہ انسانی عقل اور تجربہ قرار پایا، صرف وہی چیز علم سمجھی گئی جسے ماپا، دیکھا اور تجربے سے دہرایا جا سکے، مذہبی یا روحانی علم کو ذاتی اور ناقابلِ اعتبار کہہ کر اجتماعی علم کے دائرے سے خارج کر دیا گیا تاکہ معاشرے میں اتفاقِ رائے

پیدا ہوا اور ماضی جیسے مذہبی فسادات سے نجات ملے، دین کو اجتماعی زندگی سے نکالنے کا لازمی اثر یہ ہوا کہ دنیاوی مقاصد کی اہمیت بہت بڑھ گئی، اس فکری انقلاب کا ایک اور اثر یہ تھا کہ علم کا مقصد بھی بدل گیا، پہلے علم کا مقصد انسان کی تربیت، تزکیہ اور آخرت کی تیاری تھا۔ اب اس کا ہدف دنیاوی طاقت، دولت اور آرام بن گیا، لادینی (سیکولر) سوچ نے بائبل کی آیت پیسہ تمام برائیوں کی جڑ ہے کو بدل کر پیسے کی کمی ہر برائی کی جڑ ہے اپنا موقف بنالیا، اس تبدیلی نے پوری تعلیمی اور علمی عمارت کو بدل کر رکھ دیا، معاشرے کا اجتماعی مقصد دولت اور طاقت کا حصول بن گیا، مفید علم بھی وہی کہلایا جو اس مقصد کے حصول میں مددگار ہو، سائنسی ترقی دنیاوی طاقت کے حصول کیلئے مقبول ہوئی، معاشرتی علوم بھی انفرادی اور اجتماعی سطح پر دولت اور طاقت کے حصول کیلئے بنائے گئے، یہی وہ فکری اساس ہے، جس پر آج کی جدید تعلیم قائم ہے اور جو اسلامی تصورِ علم سے براہ راست متصادم ہے، اسی پس منظر کو سمجھنا اصلاح کا پہلا قدم ہے، جب تک ہم یہ نہ پہچانیں کہ مغربی تعلیم کے اندر کیسے سیکولر مفروضے خاموشی سے شامل ہو چکے ہیں، ہم اپنے دروس کو اسلامی اقدار سے ہم آہنگ کرنے کا راستہ تلاش نہیں کر سکتے۔

جدید علم کو اسلامی اقدار سے ہم آہنگ کرنا ایک فکری معرکہ

جب میں نے پہلی مرتبہ اسلامی معاشیات اور جدید معاشیات پر غور کیا تو دونوں مضامین کے درمیان بعد المشرقین نظر آیا، پیچیدہ ریاضیات کی الجھنوں کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہوسکتا ہے؟ مگر اسلامی تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلا کہ امت ایک بار پہلے بھی اسی علمی مرعوبیت کا شکار ہو چکی ہے اور اس علمی شکست کو فتح میں بدلنے کا راستہ ڈھونڈ چکی ہے، یونانی فلسفہ جب مسلم دنیا میں داخل ہوا تو اس نے صرف منطق اور طبیعیات ہی نہیں بلکہ خدا کی صفات، تقدیر، وحی اور علم کی حقیقت جیسے بنیادی عقائد پر بھی مختلف قسم کے پیچیدہ نظریات پیش کئے، اسلامی تعلیمات کی سادگی اور یونانی فلسفے کی گہرائی و پیچیدگی دیکھ کر مسلمانوں کا ایک گروہ بہت متاثر ہوا، اس معتزلہ فرقے نے عقل کو وحی پر مقدم قرار دیا، یہاں عقل سے ان کی مراد یونانی فلسفہ تھی مگر امت نے اس فتنہ اعتزال کا مقابلہ علم وبصیرت سے کیا، امام احمد بن حنبلؒ کی استقامت، امام غزالی کی گہری تنقید اور صدیوں کی فکری محنت نے اس فلسفے کو تمام غیر اسلامی عناصر سے پاک کر دیا اور وہ حصے جو مفید تھے، انہیں اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کر لیا، یہی وہ طریقہ ہے جو ہمیں آج درکار ہے، اسلام علم کا دشمن نہیں بلکہ اس کا رہنما ہے، جب عقل و تجربہ وحی کے زیرِ سایہ رہیں تو دونوں مل کر ایک ایسا نظامِ علم پیدا کرتے ہیں جو دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح کا ضامن ہے۔

یاد رہے کہ مسلمانوں نے صرف یونان ہی سے نہیں بلکہ ایران، ہند، چین اور مصر سے بھی علم وفنون حاصل کئے طب، ریاضی، فلکیات اور انجینئرنگ اور انہیں اپنے اخلاقی و روحانی سانچے میں ڈھال کر علمِ نافع بنادیا، جہاں کہیں عقیدہ متاثر نہیں ہوتا تھا، وہاں یہ علوم بغیر جھجک اپنائے گئے، جہاں تضاد پیدا ہوا، وہاں تنقید اور تطہیر کے ذریعے ان کو اسلام کے سانچے میں ڈھالا گیا، بدقسمتی سے علمی محاذ پر یہ امت جس نے کبھی دنیا کی رہنمائی کی، رفتہ رفتہ علم کے میدان میں پیچھے رہ گئی، اس کمزوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیسویں صدی کے آغاز تک تقریباً نوے فیصد مسلم دنیا استعمار کے تسلط میں آ گئی، وقف کے ادارے جن سے تعلیم کو سہارا ملتا تھا، ختم کر دیے گئے اور ان کی جگہ ایسے نظامِ تعلیم نے لی جو مغربی اقدار اور افکار سے متاثر تھے، ان نظاموں کا مقصد نوجوانوں کے ذہنوں میں مغرب کیلئے عقیدت اور اپنی تہذیب کیلئے احساسِ کمتری پیدا کرنا تھا، اگرچہ زیادہ تر مسلم ممالک کو سیاسی آزادی حاصل ہوئے دہائیاں گزر چکی ہیں مگر فکری اور علمی آزادی اب بھی مفقود ہے، مغربی تعلیمی نظام اب بھی ہمارے اداروں میں گہرائی سے پیوست ہے اور نوجوانوں کے اذہان کو اسی زاویے سے تراش رہا ہے لہٰذا آج کی اصل جدوجہد فکری آزادی کی ہے اور یہ جنگ ہماری درسگاہوں میں ہی لڑی جائے گی، اگر ہم اپنے طلبہ کو اسلام کے چشمہ ہدایت سے جوڑ دیں تو وہی درس گاہ اسلامی تہذیب کی تجدید کا نقطہ آغاز بن سکتی ہے، آج کے مسلمان معلم کا فرض صرف علم منتقل کرنا نہیں بلکہ فکر ونظر کو بدلنا ہے تاکہ وہ اپنے طلبہ میں ایمان کے ساتھ غور وفکر اور دنیا کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ بیدار کر سکے، یہی تجدیدِ علم اور اصلاحِ امت کا راستہ ہے مگر یہ کام کیسے ہوگا؟ اسلامی تعلیمات اور جدید معاشیات کے مسائل کے درمیان ایک ناقابلِ عبور خلیج نظر آتی ہے، ان دونوں علوم کے درمیان تعلق مقصد پر غور کرنے سے پیدا کیا جا سکتا ہے، جب ہم اپنی زندگی کے مقصد پر غور کرتے ہیں اور علم کی افادیت کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو ہمیں اسلامی علوم اور جدید علوم کو ایک ہی جگہ لا کر مقابلہ اور موازنہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

عصری علوم کے دو ممکنہ مقاصد

جدید سرمایہ دارانہ تعلیم کا مقصد انسان نہیں بلکہ ہیومن ریسورس پیدا کرنا ہے ایسے پرزے جو پیداوار کی مشین میں استعمال کئے جا سکیں، اس نظامِ تعلیم کا نصب العین انسان کو مکمل شخصیت کے طور پر پروان چڑھانا نہیں بلکہ اسے ملازمت کے قابل بنانا ہے، مغربی تعلیم ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ انسان کی قیمت اس کی تنخواہ کے مطابق طے ہوتی ہے، اس دھوکے میں ہماری اصل قدر چھپ جاتی ہے وہ قدر

جو اللہ تعالی نے ہمیں اپنی بہترین تخلیق قرار دے کر عطا کی، مسلمان اساتذہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ پہچانیں کہ ہمارے طلبہ نے یہ دنیاوی نظریہ، بغیر سوچ جذب کر لیا ہے، یہ نظریہ ان کی امنگوں، ان کے خودی کے احساس اور ان کے مقصدِ زندگی کو متعین کرتا ہے، ہمیں اس خاموش اثر کو نمایاں کرنا، اس پر گفتگو کرنا اور ایمان و مقصد پر مبنی ایک متبادل سوچ پیش کرنا ہوگی، ہر مضمون کے آغاز میں ایک فطری اور سادہ سوال پر غور کرنے سے دور رس نتائج پیدا ہوتے ہیں، ہم یہ مضمون کیوں پڑھ رہے ہیں؟ یہ سوال فوراً دو مختلف نقطہ نظر سامنے لاتا ہے ایک وہ جو تعلیم کو ڈگری، ملازمت اور تنخواہ کا زینہ سمجھتا ہے اور دوسرا وہ جو تعلیم کو انسانی کمال کی تلاش کا سفر قرار دیتا ہے، ایک دوسرے سے تعلیم کے مقصد کے بارے میں جوابات سن کر طلبہ میں احساس پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کا مقصد محض دنیاوی کامیابی نہیں بلکہ ایک اعلی اخلاقی و روحانی منزل کی تلاش ہے، اس سوال پر غور اور فکر کے بعد ہم اپنے طلبہ سے پوچھ سکتے ہیں، کیا تم ڈگری لے کر اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ پیسہ دینے والی ملازمت کیلئے فروخت کر دو گے؟ یا ایسا انسان بننا چاہتے ہو جس کی قیمت ساری دنیا کے خزانے ادا نہیں کر سکتے؟ یہ سوالات طلبہ کی غیرت کو بیدار کر دیتے ہیں اور انہیں تعلیم کے اور زندگی کے مقاصد کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرتے ہیں، ایک ذہنی کشمکش جو عموماً چھپی رہتی ہے، سامنے آ جاتی ہے، ہماری تعلیم کا مقصد صرف دنیوی کامیابی ہے یا اسے ہم آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بھی بنا سکتے ہیں؟ ہم اساتذہ کا مقصد تبلیغ نہیں بلکہ غور و فکر کا دروازہ کھولنا ہے ایسا بیج بونا جو وقت کے ساتھ دلوں میں جڑ پکڑ لے، میرے تجربے میں مختلف درس گاہوں میں اس گفتگو کے مختلف اثرات ہوتے ہیں، جہاں طلبہ کے ذہن میں دنیوی کامیابی کی طلب راسخ ہو چکی ہے، وہاں وہ یہ پیغام سن کر گھبرا جاتے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم نے دل کی سن لی اور اعلی مقاصد کو اپنا لیا تو کھائیں گے کیسے؟ اللہ تعالی نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ شیطان تمہیں غربت سے ڈراتا ہے مگر طلبہ کی اکثریت اس پیغام کو سنجیدگی سے سنتی ہے، یہ پیغام کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری زندگی کی قیمت ساری انسانیت کے برابر لگائی ہے، ان کے دل کی گہرائیوں تک اتر جاتا ہے، ان کے اندر ایک سوچ بیدار ہوتی ہے کہ واقعی ہم بکری کا مال نہیں ہیں، وہ سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ قیمتی کیسے بنا سکتے ہیں؟ اور ہم اپنے علم کو اس اعلی مقصد کے حصول کیلئے کیسے استعمال کر سکتے ہیں؟ جب طلبہ کے اندر یہ سوچ پیدا ہوتی ہے، تو اب استاد کا کام بنتا ہے کہ ان کی رہنمائی کریں، انہیں وہ راستے دکھائیں جن کے ذریعے وہ کسی کے زر خرید ملازم کے بجائے امت کی اِحیا اور اسلامی علم کی تجدید کا ذریعہ بنیں مگر استاد یہ کام کیسے کر سکتے ہیں جبکہ

وہ خود اسی تعلیمی نظام کی پیداوار ہیں اور انہیں بھی تعلیم کا مقصد دنیا کمانا سکھایا گیا ہے؟ اس کیلئے کچھ نئے طریقوں سے محنت درکار ہے، جس کی تفصیل مضمون کے اگلے حصوں میں آئے گی۔

نیت کی تجدید تدریس کو عبادت بنانا

مسلمان اساتذہ کی حیثیت سے ہمارے سامنے ایک عظیم ہدف ہے، جدید علوم کو اس طرح پڑھائیں کہ ہماری تدریس عبادت بن جائے اور ہمارے قلم کی روشنائی شہیدوں کے خون کی طرح تولی جائے، اس تبدیلی کی بنیاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر ہے: إنما الاعمال بالنیات اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ہمارا تعلیمی نظام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ تدریس محض ایک ملازمت ہے، مضمون پر عبور حاصل کرو، طلبہ کو سکھا اور اس کے بدلے تنخواہ لو مگر نیت بدل جائے تو یہی عمل ایک مقدس عبادت بن جاتا ہے، اگر ہم یہ نیت کرلیں کہ ہم امت کے معمار تیار کر رہے ہیں اللہ کے بندوں کو علم و ایمان سے جوڑ کر ان کے دلوں میں خدمت اور مقصد کا شعور پیدا کر رہے ہیں تو یہی کلاس روم عبادت گاہ بن جاتا ہے، جب ہم کلاس میں داخل ہوں تو ہر طالب علم کو امام غزالیؒ، ابن الہیثمؒ یا ابن رشدؒ جیسی چھپی ہوئی صلاحیتوں کا حامل دیکھیں، جو استاد اپنے شاگرد میں عظمت دیکھتا ہے، وہی اس کے اندر عظمت جگا سکتا ہے، نیت کی یہ تبدیلی استاد کو محض معلومات پہنچانے والے سے کردار اور قابلیت سنوارنے والے مربی میں بدل دیتی ہے، جب ہم اپنی نیتوں کو بدل لیں تو اب ہم طلبہ کو بھی دعوت دے سکتے ہیں کہ وہ اپنی تعلیم کے مقصد پر دوبارہ غور کریں، انہیں سکھایا گیا ہے کہ تعلیم ڈگری، ڈگری نوکری اور نوکری راحت اور آسائش کی زندگی دیتی ہے، اگر انسانی زندگی انمول ہے تو اسے دنیا کے مفاد کے عوض بیچ دینا خسارے کا سودا ہے، ہم طلبہ کے سامنے بلند عزائم رکھیں، انہیں حوصلہ دیں کہ علم حاصل کریں تاکہ معاشرے میں عدل، رحمت اور اصلاح کے علم بردار بنیں تاکہ اللہ کی مخلوق کی خدمت کرکے اسکی محبت حاصل کریں تاکہ اپنی زندگی کو ایک اعلی مقصد کے تابع بنا سکیں یاد دلائیں کہ جو لوگ علم سیکھتے اور سکھاتے ہیں اللہ کی رضا کیلئے، ان کیلئے اجر بے پایاں ہے، جب علم کا مقصد خدمتِ خلق اور رضائے الٰہی ہو تو دنیاوی علوم بھی عبادت بن جاتے ہیں، آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی حدیث ہمیں یہی سکھاتی ہے کہ عمل کی حقیقت نیت سے بنتی ہے، بظاہر ہمارا کام عام اساتذہ جیسا ہے مگر نیت بدلنے سے اس کی حقیقت بدل جاتی ہے، نیت ہی وہ راز ہے جو تدریس کو تجارت سے عبادت میں بدل دیتا ہے، جب ہم انسانیت کی خدمت کیلئے اللہ کے لیے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں تو علم کی تلاش کا ہر قدم ہمیں جنت کی طرف لے جاتا ہے۔

علم اور عمل کا ربط: بامقصد تعلیم

جب ہم طلبہ کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ علم کو انسانیت کی خدمت کیلئے حاصل کریں تو یہ ہماری ذمہ داری بن جاتی ہے کہ ہم انہیں ایسا علم فراہم کریں جس کے ذریعے وہ واقعی خدمت کر سکیں لیکن جب ہم اپنی درسی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ایک حیران کن حقیقت سامنے آتی ہے، ہماری نصابی کتابیں عمل کی دنیا کے بارے میں تقریباً خاموش ہیں، اس خاموشی کی جڑ مغربی فکر کی تاریخ میں پوشیدہ ہے، سترہویں صدی کے مفکر ڈیکارٹ نے عقل اور جسم کو دو الگ دنیائیں قرار دیا ایک سوچنے والی مگر غیر مادی (Mind) اور دوسری مادی (Body) عقل کو علم کا واحد ماخذ سمجھا گیا جبکہ جسم، جذبات، ارادہ اور عمل کو غیر علمی دائرے میں دھکیل دیا گیا، اس تقسیم نے علم کو محض نظری سرگرمی بنا دیا ایک ایسی ذہنی مشق جو انسان کے کردار، احساس اور عمل سے بے تعلق ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ کتابی علم کی دنیا تو پھیل گئی مگر انسان کی اندرونی دنیا ویران ہوگئی، اسلام میں اس کے برعکس تصور ملتا ہے، قرآن ایمان اور عملِ صالح کو لازم وملزوم قرار دیتا ہے، وہ علم جس پر عمل نہ ہو، بروزِ قیامت بوجھ بن جائے گا، اسلام میں علم کا معیار اس کے اثرات ہیں اگر وہ کردار اور معاشرہ نہ بدلے تو وہ علم ناقص ہے، اسی لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے درس وتدریس میں علم کے عملی پہلو کو دوبارہ شامل کریں، مغربی نصاب میں نظریات کو جامد، کتابی حقائق کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جب تک یہ نظریات کتاب کے صفحات تک محدود رہیں، اسلام ان سے براہِ راست متصادم نہیں ہوتا مگر جیسے ہی ہم ان نظریات کو عملی دنیا میں لاتے ہیں جب ہم فیصلہ کرتے ہیں کہ کس عمل کو کرنا چاہیے اور کس کو نہیں وہاں ہمیں اسلام کی رہنمائی درکار ہوتی ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں ایمان علم کو سمت دیتا ہے، اگر یہ رہنمائی موجود نہ ہو تو نتیجہ وہی نکلتا ہے جو جدید دنیا میں ہم دیکھ رہے ہیں، ایسے ذہین مگر بے ضمیر ماہرین جو ایٹم بم تیار کر لیتے ہیں مگر اس کے ہزاروں معصوم متاثرین کے درد کو محسوس نہیں کرتے، اسی لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے طلبہ کو عملی تجربات سے روشناس کرائیں، مثلاً اگر ہم غربت پر گفتگو کر رہے ہوں تو طلبہ کو کہیں کہ وہ قریبی کچی آبادی میں جائیں اور وہاں کے لوگوں سے خود بات کریں کہ وہ کس حال میں زندگی گزار رہے ہیں؟ جب علم کو زندگی سے جوڑ دیا جائے تو وہ محض نظریہ نہیں رہتا بلکہ بصیرت میں بدل جاتا ہے، ایسا کرنے سے طلبہ کے علم میں گہرائی پیدا ہوگی ان کے اندر ہمدردی اور جستجو بیدار ہوگی اور اسلامی طرزِ تعلیم مغربی طریقے سے ممتاز ہو جائے گا اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر میں کہہ سکتا ہوں کہ جب ہم اس علم کی تلاش کرتے ہیں جس پر عمل کیا جا سکے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نصاب کی کتابوں کا بیشتر حصہ صرف امتحان کے سوالات کا

جواب دیتا ہے، دین اور دنیا کے کسی مسئلے سے تعلق نہیں رکھتا، جب ہم ایسے مواد کو نکال دیتے ہیں تو نصاب میں ایک خلا پیدا ہوتا ہے، جسے ہم زندہ، تجرباتی علم سے بھر سکتے ہیں ایسا علم جو ہماری زندگی کو سنوار سکتا ہے اور حسنِ معاشرت کو نکھار سکتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ! مجھے نافع علم عطا فرما اور غیر نافع علم سے پناہ دے نافع علم وہ ہے جو انسان کو خدا کے قریب کرے اور مخلوق کے لیے فائدہ مند ہو، مغربی دنیا میں علم کی افادیت کا معیار دولت، طاقت اور شہرت ہے؛ اسلام میں معیار نیت ہے کہ علم کس مقصد کیلئے حاصل کیا جا رہا ہے، اگر نیت خدمت اور اصلاح کی ہو تو وہی علم عبادت بن جاتا ہے، یہ کام آسان نہیں، جب ہم کتابی علم کو عملی دنیا میں لانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ حقیقی زندگی کی پیچیدگیاں نصابی نظریات سے کہیں زیادہ ہیں مگر یہی وہ محنت ہے جس سے ہماری درسگاہوں میں پھر سے نورِ ہدایت لوٹ سکتا ہے وہ نور جو علم کو عبادت اور تعلیم کو تزکیہ میں بدل دیتا ہے۔

عصری علوم کو نافع بنانا

جب ہم کتابی علم سے آگے بڑھ کر عمل کے میدان میں قدم رکھیں گے تو ہم پر یہ راز کھلے گا کہ ہماری درس گاہوں سے اسلام کیوں غائب ہے؟ اسلام ہمیں مغربی لادینی نظریات کے بارے میں تو کچھ نہیں بتاتا مگر ہمیں یہ ضرور سکھاتا ہے کہ عمل کے میدان میں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے، یہ تعلیمات یعنی کردار سازی، اخلاقی تربیت، اپنی ذمہ داریوں کو پہچاننا اور دوسروں کے حقوق ادا کرنا، دراصل مغربی تعلیم کا بھی مرکزی حصہ تھیں، بیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں کردار سازی مغربی تعلیم سے کیسے نکلی، اس کی اہم تاریخ جولی روبن نے اپنی کتاب بعنوان Making of the Modern University: Intellectual Transformation and the Marginalization of Morality میں لکھی ہے، مغربی دنیا میں دینی جنگوں کے لامتناہی سلسلے کی وجہ سے دینی علوم کو اور دنیوی علوم کو الگ تو کر دیا گیا مگر دونوں حصوں کو علم کی شاخیں مانا جاتا رہا مگر پہلی جنگِ عظیم کے بعد لوجیکل پوزیٹوزم (Logical Positivism) کے نام سے ایک نیا فلسفہ ابھرا، اس فلسفے کے مطابق علم صرف عقل اور مشاہدہ کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے، اس فلسفے نے علم کو سائنس اور بیرونی دنیا کے علم تک محدود کر دیا اور انسان کی اندرونی دنیا کے علم کو خارج کر دیا، مغربی فلسفے نے علم کو اخلاق سے الگ کر دیا مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر انسانی عمل کسی نہ کسی قدر کا مظہر ہوتا ہے یعنی علم کبھی غیر جانبدار نہیں ہوسکتا، مغربی درس گاہوں نے اگرچہ کردار سازی کو نصاب سے نکال دیا مگر اس کے ساتھ کردار سازی کا عمل ختم نہیں ہوا صرف اس کی سمت بدل گئی، تعلیم اب

بھی انسان کو گڑھتی ہے مگر ایمان، خدمت اور انصاف کے بجائے مفاد، مقابلہ اور خودغرضی کے سانچے میں، جب علم کی تعریف بدل گئی تو مغربی درسگاہوں نے بھی اپنی تعلیم کو انہی سائنسی علوم تک محدود کر دیا اور اس کے نتیجے میں علم کا حسنِ اخلاق سے تعلق کٹ گیا، اس وجہ سے مغربی تعلیم میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا اور اس کے نقصانات کئی مغربی مفکرین نے بھی محسوس کیے، زِگمنٹ باومن اپنی کتاب Modernity and the Holocaust میں لکھتے ہیں کہ کسی جنگل کے وحشیوں نے نہیں بلکہ بہترین تعلیم یافتہ انجینئروں نے وہ چولہے (گیس چیمبرز) بنائے جن میں انسانوں کو ہڈی سمیت جلا کر راکھ بنایا جا سکا، ڈیوڈ ہالبراسٹم اپنی کتاب The Best and the Brightest میں لکھتے ہیں کہ امریکہ کی اعلی ترین یونیورسٹیوں کے تربیت یافتہ طلبہ نے ویتنام جنگ میں حساب لگایا کہ کتنے لوگوں کے قتل کی، اسلحہ اور افواج کے حساب سے، ڈالر میں کیا قیمت بنتی ہے مگر اس عمل کی اخلاقی قباحت پر کبھی غور نہیں کیا، امریکہ کی اعلی سے لے کر ادنیٰ درس گاہوں میں تا حال تجارتی اصول سکھایا جاتا ہے کہ تجارت میں اولین فرض منافع ہے، اگر نومولود بچوں کے لیے دودھ کا سفوف بیچنے سے ہزاروں بچوں کی اموات ہو جائیں مگر منافع بڑھ جائے تو ضرور بیچو۔ آج اسلامی تعلیمات ہمیں یہ موقع فراہم کرتی ہیں کہ ہم مغربی تعلیمی طریقوں میں پیدا ہونے والے اس عظیم خلا کو پر کرسکیں، اس کیلئے پہلا قدم مغربی علوم کی غیر جانب داری کے دھوکے سے بچنا اور ان علوم کے پیچھے چھپی ہوئی انسانیت سے گری ہوئی اقدار کو پہچاننا ہے، اسی پہچان کے بعد ہم طلبہ کو تمبا کو بیچ کر اور مہلک بیماریوں پھیلا کر نفع کمانے کی قباحت سکھا سکیں گے، جب بھی ہم کسی کتابی نظریے کو عملی میدان میں لائیں گے تو اس عمل کے اخلاقی پہلو میں رہنمائی ہمیں اسلامی علوم میں ملے گی، اس طرح ہم اسلامی علوم کو اپنی درس گاہوں میں دوبارہ لاسکیں گے، یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم کردار سازی کو دوبارہ اپنے تعلیمی نصاب کا مرکز بنا سکتے ہیں اور ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہی اخلاقی تربیت اور کردار سازی اسلامی تعلیمات کا مرکزی نکتہ ہے جس نے صحرا کے بدوں کو دنیا کے رہنما بنا دیا تھا، اسلامی تعلیمات کی یہ تاثیر تو نہیں بدلی مگر آج ہماری آنکھیں مغربی علم کی چمک سے دھوکہ ضرور کھا گئی ہیں، ہمیں علامہ اقبال کے نقشِ قدم پر چلنے کی ضرورت ہے ......

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانشِ فرنگ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ ونجف

سائنس کی حدود اور درجہ

سائنسی معلومات ہماری زندگی کے ہر شعبے پر لحہ بہ لحہ اثر انداز ہیں مگر مغربی اندازِ تدریسِ سائنس طلبہ کے ذہن میں ایک شدید مغالطہ پیدا کر دیتا ہے، وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ علم حاصل کرنے کا واحد

معتبر ذریعہ سائنس ہے، یہ مفروضہ اس دور کی پیداوار ہے جب یورپ نے دین کو برطرف کر کے علم کو نئی بنیادوں پر اٹھایا، اس وقت سے سائنس یعنی بیرونی دنیا کا وہ علم جو مشاہدے اور عقل پر مبنی ہے کو واحد معتبر ذریعہ علم قرار دیا گیا جبکہ اندرونی دنیا کا علم جو ضمیر، وجدان اور روح سے تعلق رکھتا ہے کو دینی اختلافات کا سبب سمجھ کر نا قابلِ اعتبار ٹھہرا دیا گیا، یہ خاموش تصورات (جو سائنسی تعلیم کے ساتھ ازخود ذہنوں میں سرایت کر جاتے ہیں) اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ٹکراتے ہیں، قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ آنکھیں نہیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں یعنی دل کی بصیرت کو آنکھوں پر فوقیت حاصل ہے، ظاہر ہے کہ وحی ہی سب سے معتبر علم ہے، اگر ہم طرزِ تعلیم میں اصلاح کریں تو سائنسی معلومات سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے بھی ان مضر اثرات کو دور کیا جا سکتا ہے، اس کیلئے ہمیں چار پہلوؤں پر کام کرنا ہوگا۔

اہم ترین علم سائنس سے نہیں ملتا

ہمارے لئے سب سے بنیادی سوالات ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں ہم کیوں جیتے ہیں؟ ہمیں کس مقصد کیلئے پیدا کیا گیا؟ اور ہم ایک بہتر معاشرہ کیسے قائم کر سکتے ہیں؟ مگر سائنس ان سوالات پر خاموش ہے، سائنس کے بارے میں یہ غلط عقیدہ کہ صرف وہی علم معتبر ہے جو تجربے اور مشاہدے سے حاصل ہو، ہمارے طلبہ کے ذہنوں میں گہرے اثرات چھوڑتا ہے، اس عقیدے کے تحت غیب کا ہر علم نا قابلِ اعتبار سمجھا جاتا ہے کیونکہ اسے دیکھا یا آزمایا نہیں جا سکتا، چنانچہ چونکہ موت کے بعد کی زندگی کا مشاہدہ ممکن نہیں، بہت سے لوگ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آخرت کا وجود ہی نہیں، مسلم معلم کیلئے طلبہ کو یہ سمجھانا بہت ضروری ہے کہ ہر علم کی طرح سائنس کی بھی حدود ہیں، جس کے باہر وہ مفید نہیں رہتا، جس طرح روحانی علوم ہمیں دولت کمانے کے طریقے نہیں سکھا سکتے اور جدید معیشت کے علوم ہمیں روحانی ترقی کا طریقہ نہیں سکھا سکتے، اسی طرح سائنس ہمیں بہتر زندگی گزارنے کے طریقے نہیں سکھا سکتی، اس کے برعکس اسلامی علوم کا ایک مرکزی پیغام ہمیں بہترین زندگی گزارنے کا طریقہ اور ایک عادلانہ معاشرہ تعمیر کرنے کا راستہ سکھاتا ہے، موجودہ زمانے کی کئی کتابوں میں مغربی معاشرت کی بڑھتی ہوئی ناانصافیوں کا تذکرہ ملتا ہے، مٹھی بھر انسانوں کے پاس پوری دنیا کی دولت اور طاقت کا بیشتر حصہ ہے اور یہ حصہ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے، سائنس ہمیں دنیاوی طاقت تو بہت دیتی ہے مگر یہ طاقت ظلم کا آلہ بنے گی یا انصاف کا وسیلہ؟ یہ انسان کی اخلاقی تربیت پر منحصر ہے اور یہی تربیت آج کی تعلیم میں مفقود ہے، مغربی تعلیم کی یہ کمزوری ہمارے لئے ایک بہترین موقع ہے، اگر ہم کردار سازی کا عنصر اپنی درس گاہوں میں شامل کر کے دکھا سکیں تو یہ طریقہ تعلیم ساری دنیا کیلئے مشعلِ راہ بن سکتا ہے۔ (جاری ہے)

جناب بابر اعوان*

فلسطین کا فیصلہ فلسطینیوں کے بغیر کیسے؟

ان دنوں ایک بار پھر فلسطینیوں کی ملکیت سرزمینِ غزہ کو پیزا سمجھ کر اس کے ٹکڑے کاٹنے اور بانٹنے کیلئے بورڈ بنایا گیا ہے۔ یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ عالمی برادری کے درمیان تنازعات کے سوچ بچار مینڈیٹ اور معاہدوں کے ذریعے حل کیلئے اقوام متحدہ کا ادارہ معرضِ وجود میں آیا تھا جس کی بنیاد عالمی قانون کا ایریا آف اے ڈی آر بنا جس کا مطلب ہے متحارب ملکوں کیلئے مسئلہ حل کرنے کا متبادل فورم۔ آلٹرنیٹ ڈِسپیوٹ ریزولیوشن، تاریخِ اقوام بتاتی ہے کہ مخالف ممالک جنگیں اور ایک دوسرے کا قتلِ عام کرنے کے بعد خود تنازعاتی حل کیلئے مذاکرات کے میز پر کم ہی بیٹھے ہیں، اقوام متحدہ کے فورم پر علاقے بارڈر اور ملکیت جیسے تنازعات کا حل متعلقہ فریقوں کے مابین نکالا جاتا ہے، اقوامِ متحدہ کا کام ثالثی امن مشن اور امن افواج کے ذریعے سہولت کاری کرنا ہے،غزہ کی تقسیم کے حالیہ منصوبے کے دو مقاصد وہ ہیں جو تھوڑے سے پسِ پردہ ہیں، ان میں سے ایک اسرائیل کو محفوظ کرنا جبکہ دوسرے نمبر پر یہودی آبادکاروں کی کالونی کی سکیورٹی یقینی بنانا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ اس بورڈ کے تاحیات سربراہ امریکی صدر ٹرمپ نے بورڈ ڈاکیومنٹ پر دستخط کرکے اس بورڈ کے کیا مقاصد آن کیمرہ بتائے، صدر ٹرمپ نے غزہ امن بورڈ میں شامل ملکوں کا مینڈیٹ ان لفظوں میں بتایا کہ اس پیس ڈیل میں کل ۵۹ ممالک شامل ہوں گے، ان میں سے کچھ ممالک مڈل ایسٹ میں واقع نہیں ہیں لیکن وہ مڈل ایسٹ میں امن کیلئے آنا چاہتے ہیں، بورڈ میں شامل ممالک نہ صرف غزہ سے حماس کا صفایا کریں گے بلکہ لبنان میں حزب اللہ کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ صدر ٹرمپ نے مزید کہا کہ مشرقِ وسطی میں یہ سارے ملک ہر اس مزاحمت کو ختم کریں گے جو اسرائیل کے خلاف ہوگی، اسی تسلسل میں اسرائیلی اخبار ''یروشلم پوسٹ'' نے 22 جنوری کی اشاعت میں

---

* کالم نگار روزنامہ دنیا

یہ اعلان شائع کیا کہ صدر ٹرمپ کا غزہ بورڈ کس مقصد کے لیے بنایا جارہا ہے؟ ساتھ ان الفاظ میں امریکہ سے یہ تجزیاتی سوال بھی کر ڈالا کہ Will Donald Trump's Hamas Disarmament endgame make Israel safer? ’’یروشلم پوسٹ‘‘ نے مزید لکھا کہ ٹرمپ بورڈ میں شامل ممالک کی گریٹ گیم جلد شروع ہونے والی ہے جس کے ذریعے سے غزہ کانفلیکٹ اور مڈل ایسٹ کے مستقبل کو ری فریم کیا جائے گا، غزہ کے آزادی پسند فلسطینی عوام بشمول حماس کی جانب سے جاری مسلح جدوجہد کو ختم کروانے کے تناظر میں جمعہ کے روز Financial Times UK نے اپنی انٹرنیشنل اشاعت میں جو سب سے بڑی شہ سرخی لگائی اس کے دو حصے ہیں Autocrats, monarchs and wanted men join Trump's "Board of Peace" گہری کاٹ دار اس سرخی کے پہلے حصے میں کہا گیا کہ شخصی حکمرانی بادشاہتیں اور ضرورت مند لوگوں نے امریکی صدر ٹرمپ کے بورڈ آف پیس کو جوائن کیا ہے۔ فنانشل ٹائمز کے انٹرنیشنل ایڈیشن کی سرخی کا دوسرا حصہ کہتا ہے: Rival to the UN tries to recast global order with the American President firmly in charge۔ یعنی اقوام متحدہ کی چھٹی ہوگئی۔ ڈونلڈ ٹرمپ امریکی صدر رہیں یا نہ رہیں انہیں غزہ بورڈ کی صدارت پر تاحیات ایکسٹینشن مل گئی۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد اتحادی ممالک کا بورڈ بیٹھا تھا جس نے جرمنی اور مشرقی یورپ کے علاقے آپس میں یوں بانٹے جیسے حلوائی کی دکان پہ کوئی اپنے نانا جی کی مفت فاتحہ پڑھے۔ آج سے تقریباً ۸۰ سال پہلے ۱۹۴۵ء میں دوسری جنگ عظیم کے فاتح اتحادیوں نے جرمنی کو چار ٹکڑوں میں کاٹ کر آپس میں تقسیم کیا، جرمنی کے ان ٹکڑوں کو Occupied zones کا نام دیا گیا پھر مشرقی یورپ کی تقسیم میں حصہ داریوں کی لہر چل پڑی جس کے نتیجے میں مشرقی جرمنی وفاقی جمہوریہ بن گیا اور مشرقی جرمنی سوشلسٹ جمہوریہ میں تبدیل ہوگیا۔ مغربی حصہ پر امریکہ برطانیہ اور فرانس کو حصہ بقدر جثہ ملا جبکہ مشرقی جرمنی میں سوویت یونین کے زیرِ اثر سوشلسٹ حکومت قائم ہوئی۔ فوراً بعد مغربی اور مشرقی جرمنی میں بارڈر کاٹا گیا۔ کانٹے دار تار لگی جس میں بجلی کا کرنٹ چھوڑا گیا، تقسیمِ جرمنی کے آخری اقدام کے طور پر ۱۹۶۱ء میں دیوارِ برلن مکمل کرکے غاصبوں نے ایک گھر کو دو ٹکڑوں میں بانٹ ڈالا، سوویت یونین کے زیرِ اثر جرمن ڈیموکریٹک ری پبلک (GDR) کہلایا، باقی اتحادیوں کے مقبوضہ علاقے کو FRG کا نام دیا۔ اس تقسیم سے پہلے جرمنی کا نام Germen Deutsches Reich تھا۔ مجموعی طور پر جرمنی کے چار قبضہ زونز کو پوٹسڈم کانفرنس کے ذریعے ۱۷؍جولائی سے لے کر دو اگست سال ۱۹۴۵ء تک مسلسل بانٹا جاتا رہا۔ اس تقسیم کا انچارج بھی امریکی صدر روز ویلٹ فرینکلن تھا۔ جس کے بعد ایک اور امریکن صدر ہیری ایس ٹرومین نے

۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۳ء میں عظیم ملک کوریا کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ جس کیلئے ڈی ملٹرائزڈ زون (DMZ) نامی امن زون بنایا گیا۔ اس تقسیم کی بدنامِ زمانہ نشانی کورین وال ہے۔

اسی ہفتے امریکی میڈیا ادارے سی این این ورلڈ نے اپنی ویب سائٹ پر پوسٹ لگائی جس میں غزہ امن معاہدے کے حوالے سے چشم کشا انکشافات کیے جو ہمارے سمیت دیگر مسلم ملکوں کے مستقبل کے حوالے سے خاصے پریشان کن ہیں۔

غزہ بورڈ کی پہلی شرط: شروع میں غزہ امن بورڈ کو Limited tasked body قرار دیا گیا۔ محدود دائرہ کار والے بورڈ کا کام غزہ کی پٹی میں ری کنسٹرکشن کی کارروائیوں کو Over see کرنا تھا۔ اب اس بورڈ کی حدودِ کار کو ساری دنیا تک اس مینڈیٹ کے ساتھ توسیع دے دی گئی۔ To tackle conflicts the world over۔ سیدھا مطلب یہ ہوا کہ بورڈ کے ممبر ممالک دنیا کی ہر لڑائی میں فریق بننے کیلئے تیار رہیں۔

غزہ بورڈ کی دوسری شرط: غزہ بورڈ میں ۵۹ ممالک کو شامل کرنے کا پلان ہے جس میں سے سات کے قریب ملک بشمول چین، روس، ناروے، آئرلینڈ اور بیلا روس شامل ہونے سے پہلے ہی انکاری ہو گئے۔ باقی ملکوں کو بورڈ کی مستقل سیٹ ایک ارب ڈالر دے کر صدر ٹرمپ سے ملے گی۔ ہم ایک ارب ڈالر کیلئے آئی ایم ایف کے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہیں۔ ایک ایک منی لانڈرنگ کے بادشاہ نے اس سے زیادہ پیسے پاکستان سے چوری کر کے دوسرے ملکوں میں رکھے ہوئے ہیں۔ معاشی طور پر قلاش اور قرض پر چلنے والے ملک کو ایک ارب ڈالر والی ممبر شپ کا کس حکیم نے نسخہ لکھ دیا۔

ہماری دنیا کے المیوں میں سے المیہ اعظم یہ ہے کہ فلسطینیوں کو کس طرح جینا ہے اس کا فیصلہ فلسطینیوں کے بغیر کچھ شاہ شیوخ اور لولی لنگڑی جمہوریتیں کر رہی ہیں۔ امن بورڈ کے سربراہ ڈونلڈ ٹرمپ نے اسی ہفتے آٹھویں مرتبہ غزہ میں مکمل جنگ بندی اور اسرائیل کے خلاف قرارداد کو ویٹو کیا۔ شاباش ہے ان پاکستانی ارسطوؤں کو جو صدر ٹرمپ کیلئے اب بھی امن کا نوبیل انعام مانگتے ہیں۔ فلسطین فلسطینیوں کا ہے۔ فلسطین کی آزادی کیلئے فلسطینی کٹتے مرتے اور آگے بڑھتے آئے ہیں۔

ہزار دشت پڑے لاکھ آفتاب ابھرے
جبیں پہ گرد پلک پر نمی نہیں آئی
کہاں کہاں نہ لٹا کارواں فقیروں کا
متاعِ درد میں کوئی کمی نہیں آئی

ڈاکٹر عالمگیر آفریدی*

ایران پر بڑھتا مغربی دباؤ اور خطے کا بدلتا منظرنامہ

ایران ایک بار پھر تاریخ کے اس نازک موڑ پر کھڑا ہے جہاں اندرونی بے چینی، معاشی زوال اور بیرونی دباو کا تکون ایران کے اسلامی انقلاب کے لیے ایک بڑے چیلنج کے طور پر سامنے آیا ہے، تہران کی سڑکوں پر ہونے والے حالیہ مظاہروں نے بیرونِ ملک موجود ایرانی اپوزیشن اور مغربی دارالحکومتوں میں یہ امید جگا دی تھی کہ ۱۹۷۹ء کے اسلامی انقلاب کے بعد قائم ہونے والا نظام شاید اچانک اپنے اختتام کے قریب پہنچ چکا ہے تاہم زمینی حقائق اس سوچ (جسے اگر مغرب کی خواہش کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا) کے برعکس نظر آتے ہیں، دراصل ایرانی عوام ماضی میں بھی مہنگائی، بیروزگاری اور سیاسی جبر کے خلاف سڑکوں پر نکلتے رہے ہیں مگر حالیہ احتجاج ایک ایسے پس منظر میں سامنے آیا ہے جب ایران کو امریکا اور اسرائیل کی جانب سے براہ راست اور مغربی ممالک کی جانب سے بالواسطہ عسکری، سفارتی اور معاشی دباؤ کا سامنا ہے، ان مظاہروں کی اصل ایندھن نظریاتی نہیں بلکہ معاشی ہے کیونکہ عام ایرانی کے لیے سب سے بڑا مسئلہ جوہری پروگرام یا خارجہ پالیسی نہیں بلکہ روٹی، بجلی، گیس اور روزگار ہے۔ عالمی پابندیوں نے ایرانی معیشت کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے، ۲۰۱۵ء کے جوہری معاہدے کے بعد وقتی طور پر ہٹائی گئی پابندیاں جب برطانیہ، فرانس اور جرمنی نے دوبارہ نافذ کیں تو اس کے اثرات براہِ راست عوام پر پڑے۔

۲۰۲۵ء میں غذائی اشیا کی قیمتوں میں ۷۰ فیصد سے زائد اضافہ ہوا، جبکہ دسمبر میں ریال اپنی تاریخ کی کم ترین سطح پر پہنچ گیا۔ ایسے میں حکومت کے خلاف عوامی غم وغصہ فطری تھا۔ اس سب کے باوجود یہ تاثر درست نہیں کہ ایرانی حکومت فوراً ختم ہونے جا رہی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ سیکورٹی اداروں کی مکمل وفاداری ہے۔ پاسدارانِ انقلاب جو صرف ایک فوجی تنظیم ہی نہیں ہے بلکہ ایک معاشی اور نظریاتی قوت بھی ہے، ایران کے انقلابی نظام کا مضبوط ستون ہے۔ ڈیڑھ لاکھ سے

---

* کالم نگار روزنامہ ''جسارت''

زائد مسلح اہلکاروں پر مشتمل یہ ادارہ براہِ راست سپریم لیڈر کو جواب دہ ہے اور اس کے پاس نظام کے دفاع کے لیے طاقت، دولت اور نظریے کے تینوں اسباب موجود ہیں۔امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی جانب سے ایران کو مسلسل دھمکیاں، فوجی آپشن پر غور اور ایران کے ساتھ تجارت کرنے والے ممالک پر ۲۵ فیصد ٹیرف لگانے کا اعلان دباؤ کو نئی سطح پر لے گیا ہے۔ ٹرمپ کی بیان بازی کبھی مظاہرین کو امید دلاتی ہے تو کبھی تباہ کن نتائج کی دھمکی دیتی ہے جس سے خطے میں بے یقینی مزید بڑھ گئی ہے۔

ایران کا سب سے بڑا تیل خریدار چین ہے اور چین کے ساتھ امریکا کے تعلقات خود نازک توازن پر قائم ہیں۔ ایسے میں ایران کے معاملے پر چین کو دیوار سے لگانا واشنگٹن کے لیے آسان نہیں ہوگا۔ اسی طرح عراق، ترکی اور متحدہ عرب امارات جیسے ممالک بھی ایران کے بڑے تجارتی شراکت دار ہیں۔ اس صورتحال کے اثرات خطے سے باہر بھی محسوس کیے جا رہے ہیں مثلاً انڈیا کے لیے ایران محض ایک تجارتی شراکت دار نہیں ہے بلکہ وسطی ایشیا اور روس تک رسائی کا اسٹریٹیجک راستہ بھی ہے۔ اگر امریکی دباؤ کے باعث انڈیا پیچھے ہٹتا ہے تو اس کا فائدہ براہِ راست چین کو ہوگا جو پہلے ہی ایران کے ساتھ اپنی شراکت مضبوط کر رہا ہے۔ پاکستان کے تناظر میں ایران کے ساتھ تجارت بڑی حد تک غیر رسمی ہے، اس لیے فوری اثرات محدود ہو سکتے ہیں مگر طویل المدت علاقائی عدم استحکام پاکستان کے مفاد میں نہیں۔ غیر رسمی ایندھن کی ترسیل، سرحدی تجارت اور علاقائی سلامتی سب اس بحران سے جڑی ہوئی ہیں، ایران کے لیے سب سے تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اس نازک گھڑی میں اسے مسلم دنیا کی واضح حمایت حاصل نہیں ہے۔

گزشتہ چار دہائیوں میں ایران کی مسلکی بنیادوں پر توسیع پسندانہ پالیسیوں، پراکسی جنگوں اور عرب دنیا میں مداخلت نے اسے تنہا کر دیا ہے۔ عراق، شام، لبنان، یمن اور بحرین میں ایرانی کردار نے بہت سے مسلم ممالک کو بدظن کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب امریکا اور اسرائیل کھلے عام رجیم چینج کی بات کر رہے ہیں تو مسلم دنیا خاموش ہے۔ امام خمینی کے سیاسی وروحانی جانشین علی خامنہ ای کی قیادت میں قائم اسلامی حکومت کے مخالفین کی سب سے بڑی کمزوری قابلِ اعتماد قیادت کا فقدان ہے۔ شاہِ ایران کے بیٹے کی محدود مقبولیت اس خلاء کو پر نہیں کر سکتی البتہ اگر اندرونی دباؤ، معاشی بحران اور بیرونی مداخلت ایک نکتے پر جمع ہو گئے تو ایرانی حکومت کی مشکلات بڑھ سکتی ہیں۔

ایران میں ۴۶ سال سے قائم انقلابی حکومت کا خاتمہ (جسے امریکا اور اس کے اتحادی رجیم چینج کا نام دے رہے ہیں) امریکا کی اول روز سے خواہش رہی ہے۔ گزشتہ چار عشرے اس بات پر

شاہد ہیں کہ امریکا نے ایران کی انقلابی حکومت کو سرنگوں کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا، عراق ایران جنگ سے لیکر عرب ممالک کے ساتھ اس کی مخاصمت بڑھانے سمیت امریکا نے ہر موقع پر ایران کو زچ کرنے کی کوشش کی ہے، اسی طرح اقتصادی پابندیوں کی آڑ میں بھی اس کی معیشت کا بٹا بٹھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا گیا، اس عمل میں امریکا کو تمام مغربی ممالک کی واضح اور علی الاعلان حمایت حاصل رہی ہے، اس صورتحال میں امت مسلمہ نے بھی کبھی آگے بڑھ کر ایران کے سر پر ہاتھ رکھنا گوارا نہیں کیا جس کی ایک بڑی وجہ ایران کے مسلکی بنیادوں پر توسیع پسندانہ عزائم رہے ہیں۔ عراق اور افغانستان پر امریکی حملے اور جنگ کے وقت جب امریکا کے ساتھ حساب برابر کرنے کے اچھے مواقع تھے ان مواقع پر بھی ایران نے وہ حکمت عملی نہیں اپنائی جس سے وہ اسلامی دنیا کے دل جیت سکتا تھا۔ اسی طرح شام، لبنان، بحرین اور یمن میں اپنی پراکسی کے ذریعے اس نے جو کارروائیاں جاری رکھیں ان سے بھی خطے کے اسلامی ممالک شاکی رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ اب جب ایران پر امریکی قیادت میں مغربی دباؤ اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ یہاں طاقت کے ذریعے رجیم چینج کی اعلانیہ دھمکیاں دی جارہی ہیں تو کسی بھی اسلامی ملک کی جانب سے ایران کی حمایت میں کوئی واضح اور توانا آواز اٹھتی ہوئی نظر نہیں آرہی ہے حالانکہ چین کی قیادت میں سعودی اور ایرانی تعلقات کی بحالی کے بعد توقع تھی کہ ایران ماضی کی اپنی ان پالیسیوں پر نظر ثانی کرے گا لیکن اس کی جانب سے اس حوالے سے کچھ زیادہ گرمجوشی نظر نہیں آئی۔

اسی طرح سعودی عرب اور پاکستان کے درمیان خطے میں اسرائیل کی ممکنہ جارحیت کے تناظر میں جب گزشتہ سال دفاعی معاہدہ طے پایا جس میں اب ترکیے کی شمولیت کی اطلاعات بھی سامنے آرہی ہیں تو یہ ایک سنہری موقع ہے، جب ایران کو بعض مسلمان ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات درست کرتے ہوئے اگر ماضی کی غلطیوں پر معافی بھی مانگنی پڑے تو یہ اس کی بقا کو درپیش چیلنجز کے تناظر میں کوئی برا سودا نہیں ہوگا بلکہ اس کا یہ طرز عمل سعودی عرب، پاکستان اور ترکی کے ممکنہ دفاعی اتحاد میں شمولیت کی بنیاد بھی بن سکتا ہے لہٰذا اب بھی اگر ایران ان تینوں ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات پر نظر ثانی کرنے کے لیے بعض عملی اقدامات اٹھائے تو شاید وہ نہ صرف اسرائیل اور امریکا کی ممکنہ جارحیت اور مغربی ممالک کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکے گا بلکہ اس سے تباہی اور ٹوٹ پھوٹ کے کنارے کھڑا یہ سارا خطہ محفوظ ہونے کی توقع بھی کی جا سکے گی۔

مولانا محمد اسرار مدنی*

استعماری عہد میں مسلم دنیا کا تعلیمی نظام اور اصلاحات کی شروعات

محققین مدرسہ نظامیہ بغداد کو اسلامی نشا ثانیہ کا ادارہ قرار دیتے ہیں۔اسے عظیم سلجوق سلطنت کے وزیر نظام الملک ابوعلی حسن ابن علی الطّوسی نے گیارہویں صدی میں قائم کیا تھا۔ نظام الملک خود بھی اعلی، علمی شخصیت تھے اور اہلِ علم کو اپنے قریب رکھتے تھے۔ ان کی دینی خدمات کی وجہ سے علما نے انھیں قوام الدین کا لقب عطا کیا۔ نظام الملک نے نیشا پور اور دوسرے شہروں کے مدرسہ نظامیہ کی طرز پر مدرسے قائم کیے۔ یہ مدارس اسلامی دنیا میں اعلی تعلیم کے منظّم ادارے تھے۔ بعد میں منگولوں نے جب حملے کیے تو انہوں نے مدرسوں کو بھی تباہ کیا لیکن بعد میں عثمانی سلطنت نے نظامیہ مدارس کے ماڈل کو اپنا کر اسے جاری رکھا۔ یہ تعلیمی ڈھانچہ کس طرح اونچ نیچ کا شکار ہوا اور استعماری عہد میں بالخصوص اس میں کیا اصلاحات لانے کی کوشش کی گئی، اس مضمون میں اسی کو موضوع بنایا گیا ہے، مضمون نگار سکالر وتربیت کار ہیں اور امن وامان کے حوالے سے کام کرتے ہیں۔

بغداد کا مدرسہ نظامیہ مسلم تہذیب میں نمایاں حیثیت کا حامل رہا ہے اور اس کے اثرات کافی وسیع رہے ہیں، یہ نظام تعلیم ایک ماڈل کے طور پہ طویل عرصے تک باقی رہا ہے۔ استعماری عہد کی شروعات تک کے مرحلے میں مسلم دنیا کے اندر اسی سے ملتا جلتا تعلیمی نظام قائم رہا، سلطنت عثمانیہ نے اسی نظام کی سرپرستی کی اور انفرادی سطح پر بھی مسلم خطوں میں اس کو باقی رکھا گیا، اگرچہ عثمانی سلطنت یورپ کی فکری بیداری اور اس کی علمی تحریکوں سے بہت پہلے واقف ہو چکی تھی لیکن وہ اس نئی اٹھان کے اثرات وافادیت کو تسلیم کرنے سے قاصر رہی۔ عثمانی سلطنت کے پاس وسائل بھی خوب تھے اور اگر حکمران چاہتے تو اس تعلیمی اصلاحات کو پوری مسلم دنیا میں متعارف کرا سکتے تھے۔ لیکن عملا ایسا ممکن نہیں ہوا بلکہ عثمانی خلافت کے آخری ادوار میں جب سلاطین کو احساس ہوا کہ مغرب کی اٹھان کے پیچھے دراصل تعلیمی تحریک ہے۔

---

* چیئرمین انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی امور

تو سلاطین اس وقت تنازعات میں گھر چکے تھے اور خارجہ سطح پر انہیں کئی چیلنج درپیش تھے۔ تب ان کے پاس وسائل کی محدودیت بھی ہوگئی تھی اور یکسوئی بھی باقی نہ تھی۔ اس لیے تعلیمی اصلاحات جو ممکن ہوسکیں وہ ترکی کے اندر تک رہیں جو عملی حیثیت میں زیادہ مؤثر بھی ثابت نہ ہوسکیں۔

مسلم دنیا میں تعلیمی اصلاحات کی انفرادی کوششیں

دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ استعماری عہد میں مسلم دنیا کے بعض خطوں میں انفرادی سطح پر ہی تعلیمی اصلاحات کی کوششیں شروع کردی گئی تھیں۔ اگر اس وقت کے مرخین و مفکرین کی تحریروں کا جائزہ لیا جائے تو انداہ ہوتا ہے کہ بعض مسلم خطوں میں یہ تثر قائم ہوگیا تھا کہ عثمانی سلاطین ان کی تعلیمی پسماندگی کا سبب تھے۔ بہرحال! استعماری عہد میں انفرادی سطح پر جو تعلیمی تحریکیں شروع ہوئیں ان کے اثرات بہت وسیع رہے، اس میں عرب دنیا کے اندر مصر کی تعلیمی تحریک بہت مثر ثابت ہوئی اور اس نے پورے عرب خطے کو متاثر کیا۔

مصر میں میں تعلیمی اصلاحات کی سرگرمیاں

مسلم دنیا میں مصر وہ ملک ہے جہاں مذہبی تعلیم کے حوالے سے وسیع پیانے پر اصلاحات کی کوششیں ہوئیں، اس میں مصر کے بڑے تعلیمی اداروں نے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی بلکہ ان اصلاحات کو قبول کیا، مصر کے اندا انیسویں صدی کی ابتدا میں جن شخصیات نے مذہبی تعلیم میں اصلاحات کے لیے ڈول ڈالا اور عملی کوششوں کی ابتدا کی ان میں جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، خیرالدین پاشا اور رفاعہ طہطاوی کا نام لیا جاتا ہے جب کہ ایک اور شخصیت علی پاشا مبارک کی بھی تھی جنہیں مصر میں اس وقت ابو التعلیم کا لقب ملا جبکہ محمد عبدہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے جامعہ ازہر میں تعلیمی اصلاحات کو متعارف کرایا تھا اور انہی کے توسط سے جامعہ ازہر میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس وقت ملک کے دینی اداروں میں دیگر ادیان سے متعلق کتب شامل کی گئیں، تاکہ طلبہ میں اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے بارے میں غیریت کے تصور کو ختم کیا جاسکے اور ہم آہنگی کا شعور پیدا کیا جائے۔ اسی شہریت اور حقوق کے موضوعات پر بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مواد شامل کیا گیا تھا۔ مدارس سے ہٹ کر اگر انفرادی سطح پر دینی تعلیم میں اصلاحات سے متعلق لکھی گئی کتب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلم دنیا میں مصر اور شام وہ دو ممالک تھے جہاں اس طرح کا مواد کثرت کے ساتھ شائع ہوا بلکہ مصر میں تو اس وقت قرآن کریم کی متعدد سائنسی تفاسیر بھی لکھی گئیں، اخبارات میں بھی بہت سے مباحثے ہوئے اور مذہبی و لبرل مفکرین سب اس موضوع پر لکھتے تھے۔

ایشیائی مسلم ممالک میں تعلیمی اصلاحات

استعماری عہد میں جنوب مشرقی ایشیائی مسلم ممالک میں ملائیشیا کے اندر پہلے تعلیمی اصلاحات متعارف ہوئیں۔ملائشیا میں اسلام کے ورود کے ساتھ ہی دینی تعلیم کا باقاعدہ نظام شروع ہوگیا تھا بلکہ ملائیشیا اور انڈونیشیا میں جو سیاسی وسماجی سطح پر مذہبی عنصر کا رسوخ نظر آتا ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہاں کے تعلیمی ڈھانچے میں مذہبی عنصر بہت پہلے سے موجود رہا ہے۔ملائشیا میں انیسویں صدی میں ہی اقامتی مذہبی ادارے موجود تھے جہاں مصری دینی تعلیم کی طرز پہ مناہج کی تدریس ہوتی تھی چونکہ ملائیشیا نے دینی تعلیم کے زمرے میں برصغیر کی بجائے مصر کیساتھ ربط رکھا، اس لیے مصر کی طرح وہاں بھی دینی تعلیم میں اصلاحات شروع میں ہی ظاہر ہونے لگی تھیں،آج بھی ملائیشیا میں دینی سطح پر ازہر اور مصری مذہبی اداروں کا اثر ورسوخ زیادہ ہے، اس لیے وہاں جو مدارس قائم ہیں وہ برصغیر کے مدارس اور مناہج سے کافی مختلف ہیں۔

برصغیر میں تعلیمی تحریکیں

اس کے علاوہ برصغیر میں بھی استعاری عہد میں تعلیم کے بارے میں بہت زیادہ حساسیت ابھر سامنے آئی۔ چند ایک نصاب مرتب کیے گئے جن میں آرا کے اختلاف کی بنا پر فرق بھی تھا،مختلف مدارس وجود میں آئے، اس کے علاوہ سرسید کی تحریک اٹھی جس کے اپنے اثرات تھے، برصغیر کے تعلیمی نصاب پر الگ سے باب میں چند صفحات مخصوص ہیں، سردست یہاں عثمانی عہد میں تعلیمی اصلاحات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

سلطنت عثمانیہ میں جدید تعلیم کی ابتدا وارتقا

سلطنت عثمانیہ میں دوسرے اسلامی ممالک کی طرح دینی تعلیم کو خاص اہمیت حاصل تھی، روایتی اسلامی مدارس میں بالغان کو دینی تعلیم دی جاتی تھی، ان روایتی مدارس کے علاوہ بعض مخیرّ حضرات نے بچوں کی تعلیم کے لیے شہروں، قصبوں اور گاؤں میں مدارس الصبیان/الکتاتیب کے نام سے سکول کھولے ہوئے تھے، دونوں طرح کے تعلیمی اداروں میں تدریس کے فرائض علما دین سرانجام دیتے تھے۔سلطنت عثمانیہ کے اولین سلاطین اور امرا، عسکری اور انتظامی امور کے ساتھ ساتھ تعلیمی امور کا اہتمام بھی کرتے تھے، انہوں نے سلطنت کے مختلف حصوں میں روایتی اسلامی مدارس قائم کیے اور ان میں تدریس کے لیے پورے عالم اسلام سے علما کو بلایا۔

۱۴۵۳ء میں فتح قسطنطنیہ کے بعد سلطان محمد فاتح نے استنبول میں جامع مسجد کے اطراف میں اعلیٰ تعلیم کے آٹھ مدارس قائم کیے جن کو صحن ثمان کا نام دیا گیا۔ان مدارس میں داخلے کے لیے اہل طلبہ کو تیار کرنے کے لیے ابتدائی تعلیم کے مدارس بھی کھولے گئے۔ سلطان محمد فاتح نے اعلیٰ تعلیم کے ان آٹھ مدارس میں سے دو مدارس میں ایسا نصاب مختص کرنے کا حکم دیا تھا جو بچوں کے مدارس کے لیے اساتذہ تیار کرنے کے لیے موزوں ہو۔انہوں نے بچوں کے مدارس میں ایسے لوگوں کو بطور معلم تعینات کرنے سے منع کر دیا تھا جنہوں نے عربی صرف ونحو، بلاغت، منطق حساب، اصول تدریس، علم الحال (علوم دینیہ) ریاضیات، ہندسہ اور علم ہیئت کے علوم نہ سیکھے ہوئے ہوں۔

سلطان سلیمانی القانونی نے مدرسہ سلیمانیہ کھول کر سلطنت عثمانیہ کی تاریخ میں نئے باب کا اضافہ کیا، اس نے اپنی تعمیر کردہ مسجد کے قریب مدرسہ طب اور ہسپتال بنائے، مدرسہ سلیمانیہ اور مدرسہ طب فوج کے لیے درکار انجینئروں اور ڈاکٹروں کو تیار کرنے کے لیے بنائے گئے تھے۔اس نے علم ریاضیات کے لیے چار مدارس اور ایک دار الحدیث بنایا، سلیمان نے استنبول کے علاوہ اناطولیہ کے بڑے مراکز میں بھی یہ مدارس قائم کیے۔عہد عثمانی سے پہلے کے قائم کردہ مدارس کو نہ صرف بحال رکھا گیا بلکہ ان کی ترقی اور دوام کے لیے اوقات وقف کیے گئے۔مختلف ولایتیں اپنی آمدن کے ذرائع میں سے کچھ مدارس کے لیے وقف کرتیں۔سلاطین امرا اور اغنیا بھی اپنی ملکیتوں میں سے کچھ حصہ مدارس کے لیے وقف کرنے سے نہیں کتراتے تھے۔

زوال

روایتی اسلامی مدارس کا سلطنت عثمانیہ کی ترقی اور نشو ونما میں اہم کردار تھا، سترھویں صدی عیسویں تک یہ مدارس مطلوبہ توقعات کے مطابق اپنا کام کرتے رہے لیکن اس کے بعد ان کے اوقاف اور نظام میں خلل وگراوٹ کے سبب ان مدارس کی معاشرے اور ملک کے لیے خدمات سست پڑ گئیں اور یہ معاملہ بھی ملک کے نظام سے مبرا نہیں تھا جو زوال اور پستی کا شکار تھا،سلطنت عثمانیہ کے بعد کے ادوار میں نظام تعلیم کی اصلاح کی اشد ضرورت رہی، خاص طور پر جب ملک کو عسکری اور معاشی میدانوں میں ہزیمت اٹھانی پڑی تو نظام تعلیم کی کمزوریوں کو دور کرنا حکام کی ذمہ داری تھی مگر تعلیم کی اصلاح کے لیے جو کوششیں کی گئیں وہ ناکافی تھیں۔

آخری ادوار میں تعلیمی اصلاحات کی کوششیں

محمود ثانی کے دور حکومت (۱۸۳۹ء۔۱۸۰۸ء) میں جب معاشرتی زندگی میں وسیع اصلاحات کی

تحریک شروع ہوئی تو تعلیم کو ان اصلاحات میں خاص اہمیت دی گئی اور یہ محسوس کیا گیا کہ موجودہ حالت میں تعلیم ملکی ضروریات اور مطالبات کو پورا نہیں کرسکتی۔ لہٰذا تعلیم کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے لیے مغربی طرز پر نئے تعلیمی ادارے کھولے گئے، تاکہ ان سے فارغ التحصیل طلبہ ملک کی معاشی، اجتماعی اور ادارتی اصلاح کے قابل ہوں لیکن سلطان محمود ثانی اس سلسلے میں عملی قدم اٹھانے میں اپنی حکومت کے آخری دو سالوں میں کامیاب ہوئے کیونکہ محمد علی پاشا کی مصر میں بغاوت نے ملک کو الجھائے رکھا۔ محمود ثانی نے تعلیم کے میدان میں مجلس امور النافعہ کے قیام کا حکم دیا تاکہ ضروری تعلیمی اداروں کا لائحہ عمل اور مدارس الصبیان کی تنظیم کا خاکہ تیار کر سکے۔ (۱)

امور سلطنت کے ذمہ داران نے روایتی اسلامی مدارس کو نظر انداز نہیں کیا لیکن مدارس الصبیان کو تعلیم کی بنیاد ہونے کے سبب خصوصی توجہ دی گئی۔ مجلس نے ۵رفروری ۱۸۳۹ء میں ایک لائحہ عمل پیش کیا، جس میں تعلیم کی اصلاح کی ضرورت پر زور دیا گیا اور ملک کو پستی سے نکالنے کے لیے تعلیم کی ترقی و توسیع کو ضروری قرار دیا گیا۔ ملک اور عسکری شعبہ کی ترقی کے لیے ایسے جدید تعلیمی اداروں کے قیام کو ضروری قرار دیا گیا جو عصری تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

محمد علی پاشا کی مصر میں بغاوت اس دور میں اپنے عروج کو پہنچی ہوئی تھی اور عثمانی عسکری قوتیں ان پر غلبہ پانے میں ناکام ثابت ہورہی تھیں۔ ان حالات نے ملک کو اپنی صلاحیتوں کو بڑھانے کے لیے انتہائی کوششوں پر مجبور کردیا۔ مجلس نے اپنے لائحہ عمل میں یورپ کی علمی ترقی اور اس کی بدولت جنگی میدانوں میں عسکری برتری کی طرف اشارہ کیا اور ساتھ یہ اعتراف بھی کیا کہ دولت عثمانیہ اپنے عروج کے زمانہ میں تعلیم اور علوم میں آگے تھی لیکن یہ سلسلہ برقرار نہیں رہ سکا۔ اور ان کا اہتمام بتدریج کم ہوتا گیا۔ اگرچہ ملک میں عسکری، انجینئرنگ اور طبی شعبوں میں چند اعلیٰ ادارے قائم کیے گئے مگر یہ مدارس ناکافی تھے اور مطلوبہ حاجات کو پورا نہیں کرتے تھے۔ اس کے لیے ابتدائی تعلیم کی اصلاح کو ناگزیر قرار دیا گیا۔ اس کے لیے جو لائحہ تیار کیا گیا وہ یہ تھا:

- ☆ ابتدائی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا۔
- ☆ انفرادی تعلیم سے اجتماعی تعلیم کی طرف توجہ۔
- ☆ اساتذہ کو اپنی خواہشات کے مطابق پڑھانے کی اجازت نہیں ہوگی۔
- ☆ مدارس کے نصاب تعلیم کو انسپکٹرز اور نگرانوں کی مرضی کے ماتحت کرنا۔
- ☆ مدارس میں اساتذہ کو بہتر تعداد میں تعینات کرنا۔ (۲)

☆ ایسے بے گھر بچے جن کے سرپرست نہیں ان کیلئے اقامتی درس گاہیں قائم کرنے کی سفارش کی گئی۔

الباب العالی، دارالشوری اور دیوان الاحکام العدلیہ کی طرف سے بعض ترامیم کے بعد سلطان نے لائحہ عمل کی منظوری دے دی، اس کے فوری بعد مدرستہ المعارف العدلی (۴) کی بنیاد رکھی گئی اور استنبول کے مختلف حصوں میں پانچ مدارس رشدیہ کھولے گئے۔

سلطان عبدالحمید کے عہد میں تعلیمی اصلاحات

سلطان عبدالحمید کے دور کو تنظیمات کا دور کہا جاتا ہے۔ صدر اعظم رشید پاشا نے ۱۸۳۹ء میں فرمان جاری کیا، اس فرمان میں ملک کے سیاسی اور اجتماعی نظام میں بعض اصلاحات جاری کی گئیں۔ سلطان عبدالحمید نے ۱۸۵۶ء میں ایک دوسرا فرمان فرمان الاصلاحات جاری کیا۔ اس میں تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی۔

۱۸۴۵ء کے فرمان میں تسلیم کیا گیا کہ تعلیم کے میدان میں اب تک جو تدابیر اختیار کی گئیں ان کے مثبت نتائج نہیں نکلے۔ سلطان نے اس پر افسوس کا اظہار کیا اور اس سلسلہ میں کچھ اقدامات کا اعلان کیا جیسے جہالت کا خاتمہ کرنا، تعلیم کو عام کرنا اور اسے عام زندگی سے ہم آہنگ بنانا اور پوری سلطنت میں مدارس کا جال بچھانا۔ اس کے بعد تعلیم سے متعلق اقدامات میں تیزی آ گئی۔ ۱۸۳۹ء میں مدارس رشدیہ کے معاملات کی نگرانی کے لیے نظار المدارس الرشدی بنائی گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ریاست نے صرف مدارس کو کھولنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان مدارس کی تنظیم اور بہتری کی طرف بھی توجہ دی۔ لیکن ریاست کے اندر تمام مدارس حکومتی نگرانی میں نہیں تھے۔ ۱۸۴۰ء تک یہی صورت حال رہی۔ ۱۸۴۰ء میں مجلس المعارف الموقت قائم کی گئی۔ ایک سال بعد اس کو مجلس العارف العام میں تبدیل کردیا گیا جو تعلیم کے بارے میں براہ راست جواب دہ ہوگی۔ اسی سال نظار المدارس العمومی بنائی گئی۔ تاکہ مجلس المعارف العام کی قراردادوں کی تنقید کا جائزہ اور نظر رکھی جاسکے۔ مگر یہ ادارہ بھی سابقہ اداروں کی غیر موثر رہا، مدارس رشیدیہ ان سے باہر رہے، ۱۸۴۹ء میں یہ مدارس نظامت کے ماتحت ہوئے، اس زمانے میں مدارس رشیدیہ کی تعداد میں اضافہ ہوا لیکن اس میں اساتذہ علمی اور تربیتی لحاظ سے اہل نہیں تھے۔ ۱۸۴۸ء میں استنبول میں دارالمعلمین کے نام سے اساتذہ کی تربیت کے لیے پہلا مدرسہ کھولا گیا۔

مدارس اور اس میں پڑھنے والے طلبہ کی کثرت نے درسی کتابوں کی مانگ بڑھا دی، اس لیے ۱۸۴۹ء میں یورپ سے پرنٹنگ پریس مشینری منگوائی گئی تاکہ کتابوں کی مانگ کو پورا کیا جاسکے۔ حکومت اب تک تمام مدارس کے لیے یکساں درسی کتابیں تجویز نہ کرسکی تھی۔ اس لیے ۱۸۵۱ء میں انجمن

دانش کے نام سے انجمن بنائی گئی تاکہ یہ دولتِ عثمانیہ میں تعلیم کا سب سے اعلیٰ وارفع ادارہ بنے۔اس کے۔ اصل ممبران کی تعداد چالیس تھی جو ریاست کے بڑے بڑے عہدے دار تھے جبکہ غیر اصل ممبران کی تعداد غیر متعین تھی۔ اس انجمن میں صدر اعظم، شیخ الاسلام، سپہ سالار، رئیس المجلس العالی، وزیر خارجہ اور وزیر تجارت شامل تھے۔اس انجمن نے درسی کتابوں کی تالیف وترجمہ کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی۔ (۴)

۱۷ مارچ ۱۸۵۷ء کو سلطنت عثمانیہ میں تعلیم کے میدان میں اہم پیش رفت ہوئی اور وہ نظامت معارف عامہ کی تاسیس ہے۔ (۵)

محرم ۱۲۸۵ھ اپریل ۱۸۶۸ء میں غیر ملکوں کی زبانوں کی تدریس کے لیے مدرس السلطانی کی تاسیس کا فرمان جاری کیا گیا۔اس مدرسہ میں ملک کے مسلمان اور غیر مسلمان شہریوں کو بلا امتیاز داخلے کی اجازت دی گئی۔اسی دور میں دار الشفع اور مدرس الطبیع الملکی کی بنیاد رکھی گئی۔اسی سال ملک کی مجلس شوری وجود میں آئی جس نے قرارداد پاس کی کہ وزار المعارف ایلیمنٹری اساتذہ کے لیے استنبول میں دار المعلمین کی بنیاد رکھے اور ملک کی مختلف ولایتوں میں مدارس رشیدیہ کی تعداد بڑھائے اور استنبول میں لڑکیوں کے لیے مدارس رشیدیہ کھولے۔ان قراردادوں پر مکمل عمل کیا گیا اور ملک کے مختلف مدارس میں تعلیم کے عمل کی تنظیم بھی کی۔ (۶)

۱۸۶۹ء میں نظام المعارف العام کے صدور تک تعلیم یا تعلیمی اداروں کے لیے ہمہ جہت نظام نہیں تھا۔اس نظام میں ملک کے مختلف حصوں میں تعلیم امور کی تنظیم اور تعلیم کی ترقی وتوسیع کو ہدف بنایا گیا۔ یہ نظام پانچ شعبوں پر مشتمل تھا جس میں کل ۱۹۸ شقیں تھیں۔

پہلا شعبہ مدارس کی کل اقسام اور اس کے درجات سے متعلق تھا، مدارس کو پانچ درجات میں تقسیم کیا گیا جو درج ذیل ہیں: صبیان، رشدیہ، اعدادیہ، سلطانیہ اور عالیہ۔ اعلیٰ تعلیم میں دار المعلمین، دار المعلمات اور دار الفنون ایونیورسٹی شامل تھے۔نظام کا دوسرا شعبہ معارف عامہ کی تشکیلات سے متعلق تھا۔ تیسرا شعبہ امتحانات کے نظام سے متعلق تھا۔ چوتھا شعبہ اساتذہ سے متعلق تھا اور پانچواں شعبہ المعارف کے مالی معاملات سے متعلق تھا۔اس نظام میں دار الفنون کے لیے ۱۵ شقیں مخصوص تھیں لیکن اس نے وزارت دفاع کے ماتحت مدارس حربیہ اور طبی مدارس کے لیے کوئی شق مختص نہیں کی گئی۔اس نظام میں مجلس معارف کبیر کے دو شعبے تھے ایک علمی اور دوسرا ادارتی۔علمی شعبے کی ذمہ داری درسی اور مختلف علمی کتابوں کی تالیف و ترجمہ اور یورپی یونیورسٹیوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنا تھا۔ادارتی شعبے میں مدارس، معارف کی کمیٹیوں، میوزیم، لائبریریوں، چھاپے خانوں کے ادارتی امور کی مدد کرنا اور تعلیم کے میدان میں کام

کرنے والے افراد کے ذاتی معاملات میں مدد کرنا تھا۔اس نظام نے مدارس کی تمام اقسام اور اس سے متعلقہ تمام امور کو اپنے دائرہ کار میں لیا لیکن روایتی اسلامی مدارس کی طرف توجہ نہ دی گئی۔ بعض محققین نے روایتی اسلامی مدارس سے بے توجہی کو عثمانی تعلیمی سیاست کی کوتاہی قرار دیا ہے جبکہ بعض دوسرے محققین نے اس کا سبب ان مدارس کا وزارت تعلیم کے ماتحت نہ ہونے کو قرار دیا ہے۔

عملی اقدامات کی کمی

نظام المعارف کے تحت تعلیم کے میدان میں ریاست نے جو تجاویز دیں ان میں سے بیشتر پر عمل درآمد نہ ہوسکا۔تعلیم کی ترقی کے لیے وزارت تعلیم کا کردار عموماً غیر موثر رہا۔۱۸۷۶ء میں جب عبدالحمید ثانی نے حکومت سنبھالی تو یہ وزارت ایک ادارتی ادارے سے زیادہ نہ تھی۔ دو ولایتوں کے علاوہ کسی ولایت میں تعلیمی معاملات کو دیکھنے کے لیے کل وقتی ذمہ دار موجود نہیں تھا۔ مالی وسائل اور اساتذہ کی کمی کے باعث تعلیم کی ترقی اور تعلیمی اداروں کے پھیلا کی حکومتی کوششیں غیر مؤثر رہیں۔ ۱۸۶۹ء میں نظام المعارف کی منظوری کے باوجود ۱۸۷۶ء تک استنبول میں چند اور دارالحکومت سے باہر ایک مدرسہ اعدادیہ کی تاسیس ممکن ہوئی اور ریاست نے جو امیدیں باندھی تھیں وہ پوری نہ ہوسکیں۔

اصلاحات کا تیسرا مرحلہ

عبدالحمید ثانی نے ۱۸۷۶ء میں اقتدار سنبھالا تو اس نے مدارس الصنائع کے بانی مدحت پاشا کو صدر اعظم مقرر کیا۔ اس سے ترقی پسند عثمانیوں کی تمنائیں برآئیں۔اس نے پہلے سال نئے دستور کا اعلان کیا۔ اس سے اگلے سال سلطنت عثمانیہ کی تاریخ کی پہلی پارلیمان کا افتتاح ہوا جس کا نام مجلس المبعو ثان تھا۔لیکن اسی سال روس کے ساتھ جنگ شروع ہوگئی جس میں سلطنت کو شکست ہوئی۔ بلقان اور اناطولیہ کے علاقے کی بہت ساری زمین ہاتھ سے نکل گئی۔ سلطان نے پارلیمنٹ کو اس شکست کا ذمہ دار قرار دے کر مجلس کو برخاست کردیا۔ اس دور میں تعلیم کے میدان میں کافی ترقی ہوئی۔ بہت سے پیشہ ورانہ اور فنی تعلیم کے ادارے کھولے گئے۔تعلیم کے عمل کو جدید طرز پر ڈھالا گیا اور ابتدائی مدارس کو وزارت المعارف سے مربوط کیا گیا۔ اگرچہ مدارس الصبیان میں تدریس سے وابستہ افراد نے اس عمل کی مخالفت کی اور اس معاملے میں مملکت کے فرامین کی مزاحمت کرنے کی کوشش کی اور اس کے لیے مشکلات پیدا کیں۔ پہلی مرتبہ مختلف مدراج کے جدید تعلیمی ادارے قائم ہوئے جن میں اعلی تعلیم کے ادارے بھی تھے۔اعلی تعلیم کے ادارے پورے ملک میں قائم کیے گئے جن میں عربی ولایات کا حصہ زیادہ تھا۔

جولائی ۱۸۷۹ء میں وزارت المعارف نے تنظیم نو کا اعلان کیا اور اپنے اداروں کو انتظامی لحاظ سے پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ تعلیمی اداروں کے معاملات کو آسان کرنے کے لیے اور اس کے کام کو مطلوبہ شکل میں پورا کرنے کے لیے ہر ادارتی وحدت کو مجلس المعارف کے ایک ممبر کی نگرانی میں دیا گیا۔ وزارت المعارف کے پانچ شعبے درج ذیل تھے:

☆ شعبہ مدارس الصبیان ☆ شعبہ مدارس رشدیہ ☆ شعبہ مدارس عالیہ

☆ شعبہ تالیف وترجمہ ☆ شعبہ پریس[۷]

۱۶فروری ۱۸۸۲ء میں ہر ولایت کے مرکز میں مجلس المعارف کی تشکیل کی گئی اور اس میں ایک مدیرِ معارف تعینات کیا گیا تاکہ ولایات میں تعلیمی امور چلانے میں آسانی ہو۔ ۱۹۰۸ء میں سلطان عبدالحمید ثانی کے خلاف انقلاب کے بعد بھی تعلیم کی ترقی کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۱۳ء میں ابتدائی تعلیم کے لازمی ہونے کا قانون جاری ہوا جو سلطنت عثمانیہ کے خاتمے تک نافذ رہا۔ اس قانون کی بدولت سلطنت میں تعلیم مفت اور لازمی ہوگئی۔ مگر جب عثمانی خلافت کا سقوط ہوگیا تو ملک میں ایک ہر شعبے کے اندر تبدیلی رونما ہونے لگی۔ ہر شعبہ زندگی کو مغربی طرز میں ڈھالا جانے لگا اور ایک نیا سلسلہ شروع ہوا جو جدید قومی ریاست کے تناظر میں اس سے بالکل مختلف تھا جو عثمانیوں کے عہد کا خاصہ تھا۔

مذکورہ بالا ساری تفصیل سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عثمانی عہد میں خلافت کے مقتدر ذمہ داروں نے تعلیمی اصلاحات کا کام بہت دیر سے شروع کیا تھا۔ اگر خلافت عثمانیہ کے تحت ترکی میں اور باقی مسلم دنیا میں باقاعدہ اور منظّم انداز میں ایک تعلیمی تحریک شروع ہوتی تو آج مسلمان ممالک میں اس کے اثرات بھی نظر آتے اور معاملہ کافی مختلف ہوسکتا تھا۔

حواشی

(۱) سالنامہ نظارت معارف عمومیہ، ۱۳۱۶ھ، ۱۷

(۲) فاضل بیات، الموسسات التعلیمی فی المشرق العربی العثمانی، 17

(۳) مکتب معارف عدلیہ۔ یہ ایلیمنٹری سطح کا تعلیمی ادارہ ۱۸۳۷ میں ریاستی اداروں کے ملازمین کی تعلیم کے لیے قائم کیا گیا۔ اس سکول میں عدلیہ کا لفظ عدل یا قانون کے معنوں میں استعمال نہیں کیا گیا بلکہ یہ سلطان محمود الثانی کے لق بعدلیکی نسبت سے استعمال ہوا۔ یہ مدرسہ ۱۸۶۲ء تک قائم رہا۔ (۴) سالنامہ معارف عمومی، ۱۳۱۷ھ، ۲۵

(۵) ایضاً (۶) ایضاً (۷) فاضل بیات۔ المسسات التعلیمی فی المشرق العربی العثمانی۔ ص:۲۱

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی *

اسٹیبل کوائن
امریکی ڈالر سے منسلک ایک محفوظ ڈیجیٹل کرنسی؟

عوام الناس میں بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی ہے کہ اس وقت مارکیٹ میں ایسی کرپٹو کرنسیاں بھی وجود میں آچکی ہیں جن کے پیچھے اثاثے موجود ہوتے ہیں اور انہیں اسٹیبل کوائن StableCoin کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض اسٹیبل کوائن (کرپٹو کرنسیوں) کے پیچھے سونا، چاندی ہے جبکہ بعض کے پیچھے امریکی ڈالر، یورو یا دیگر حقیقی کرنسیوں کے ذخائر موجود ہیں، انہی اسٹیبل کوائن میں ایک یو ایس ڈی ٹی (ٹیتھر (Tether) USDT کے نام سے بھی مشہور ہے اور اس کے متعلق یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ یو ایس ڈی ٹی کے ہر جاری کردہ یونٹ کے پیچھے امریکی ڈالر بطور اثاثہ رکھا گیا ہے۔ جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ یو ایس ڈی ٹی کے ہر یونٹ کے پیچھے امریکی ڈالر بطور اثاثہ موجود نہیں ہے! امریکی کانگریس کی رپورٹ اور امریکی حکومتی ادارہ کموڈٹی فیوچرز ٹریڈنگ کمیشن CommodityFutures Tradiing Commission (CFTC) اس تاثر کی سختی سے نفی کرتے ہیں کہ ہر یو ایس ڈی ٹی کے پیچھے امریکی ڈالر ہے بلکہ ان امریکی حکومتی اداروں نے تو اس غلط بیانی پر یو ایس ڈی ٹی کی کمپنی پر بھاری جرمانے عائد کیے ہیں اور اس کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کی ہے۔

امریکی ریاست نیویارک کے اٹارنی جرنل آفس نے واضح اور دوٹوک الفاظ میں پریس ریلیز جاری کی ہے کہ امریکی ریاست نیویارک میں یو ایس ڈی ٹی کی خرید و فروخت پر مکمل پابندی ہے نیز امریکی ریاست نیویارک کے اٹارنی جرنل آفس کے تحقیقات کے مطابق یو ایس ڈی ٹی کے ہر یونٹ کے پیچھے امریکی ڈالر بطور اثاثہ موجود نہیں ہے اور اس کمپنی نے غلط بیانی سے کام لیا ہے اور اس غلط بیانی کی وجہ سے ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی پر تقریباً اٹھارہ ملین امریکی ڈالر کا جرمانہ کیا گیا ہے جو کہ اس کمپنی نے ایک دوسری کمپنی کے ساتھ مل کر ادا کر دیا ہے[1]

---

* لیکچرر منسٹر ٹیکنالوجیکل یونیورسٹی، آئرلینڈ

امریکی ریاست نیویارک کے اٹارنی جنرل آفس کے تحقیقات کے مطابق یو ایس ڈی ٹی (ٹیتھر) کے ہر یونٹ کے پیچھے امریکی ڈالر بطور اثاثہ موجود نہیں ہے اور انہوں نے دھوکہ دہی کی اور باہماس کے ایک بینک کی تصدیق پیش کی اور دعوی کیا کہ ہر یو ایس ڈی ٹی کے پیچھے ایک امریکی ڈالر ہے۔اس تصدیق کے بعد پھر اگلے ہی دن وہ سارے پیسے اپنے اکاؤنٹ سے بٹ فائی نیکس کمپنی کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کردیے۔یعنی اگلے دن ہر یو ایس ڈی ٹی یونٹ کے پیچھے اب کوئی امریکی ڈالر کا اثاثہ نہیں رہا۔اس طریقے کے ہتھکنڈے اختیار کیے گئے اور عوام الناس کو دھوکہ میں ڈالا گیا۔ان تمام باتوں کی تحقیقات مع ثبوت امریکی ریاست نیویارک کے اٹارنی جنرل آفس کی تحقیقات اور فیصلے میں درج ہیں[۲-۳]

امریکی حکومتی ادارے کموڈٹی فیوچرز ٹریڈنگ کمیشن کی تحقیقات کا خلاصہ ہے جس میں درج ہے کہ یو ایس ڈی ٹی (ٹیتھر) نے غلط بیانی سے کام لیا ہے کہ ہر یو ایس ڈی ٹی کے پیچھے امریکی ڈالر بطور اثاثہ ہے[۴]۔ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی بنیادی طور پر فرضی نمبروں کا کھاتے میں اندراج ہے، اس میں صرف ٹرانزیکشن کا تبادلہ اور خرید وفروخت ہوتی ہے اور اس میں کوئی مبیع نہیں ہوتا۔نیز یہ سارا سلسلہ دراصل کرپٹو کرنسی کے نظام کو مزید تقویت دینے کیلئے بنایا گیا ہے اور اصل مقصد بٹ کوائن اور دیگر کرپٹو کرنسیوں کے کاروبار کو مزید ترویج دینا ہے۔دراصل بٹ کوائن کے کمپیوٹر کوڈ کو لے لیا گیا ہے، اس کا نام تبدیل کردیا گیا ہے اور یہ تاثر دیا گیا ہے کہ یہ کرپٹو کرنسی کی ایک نئی قسم یعنی ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی اسٹیبل کوائن Stablecoin ہے اور اس کے ہر یونٹ کے پیچھے امریکی ڈالر بطور اثاثہ رکھا گیا ہے (محققین کے مطابق یہ محض ایک دعوی ہے اور تفصیل مع حوالہ جات آگے آرہی ہے)۔اصل میں پیچھے بٹ کوائن کا کوڈ ہی چل رہا ہے، اس بٹ کوائن کے کوڈ میں کوئی ردوبدل نہیں کیا گیا اور اس کیلئے اومنی لیئر پروٹوکول Omni Layer Protocol کا استعمال کیا گیا ہے[۵] لہٰذا ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی کو کرپٹو کرنسی ہی سمجھا جائے۔

ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی بٹ کوائن پر بنیاد کرتا ہے جو کہ اس کے وائٹ پیپر میں واضح درج ہے[۶] اور بٹ کوائن کے متعلق ہمیں واضح طور پر پتہ ہے کہ یہ محض فرضی نمبروں کی تجارت ہے۔خود ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی بنانے والے اس کا اقرار کررہے ہیں (جو کہ یو ایس ڈی ٹی کی اپنی ویب سائٹ پر موجود ہے)[۷]

ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی میں تقریباً وہی تمام نقائص پائے جاتے ہیں جو کہ بٹ کوائن کرپٹو کرنسی میں پائے جاتے ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس میں ایک حقیقی کرنسی کے یونٹ کی نمائندگی کا دعوی کرنے سے یہ مزید دھوکہ دہی کا منبع بن جاتی ہے۔

عمومی طور پر اسٹیبل کوائن کے نام پر یہ تشہیر کی جاتی ہے کہ ہماری جاری کردہ کرنسی یا ٹوکن کے

پیچھے حقیقی کرنسی (امریکی ڈالر وغیرہ) یا سونا چاندی کے ذخائر موجود ہیں اور اس کی تائید کیلئے اسٹیبل کوائن جیسے ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی Tether USDT وغیرہ کی مثال دی جاتی ہے۔ اسٹیبل کوائن وہ کرپٹو کرنسی ہے جس کا مقصد کسی مخصوص اثاثے، یا اثاثوں کی ایک پول یا ٹوکری کی نسبت ایک مستحکم قدر کو برقرار رکھنا ہے چونکہ اسٹیبل کوائن پرائیوٹ کمپنیاں جاری کرتی ہیں لہٰذا ان کی قیمت کو مستحکم رکھنے کیلئے جو پیچھے اثاثے رکھے جاتے ہیں اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی کہ وہ کہاں رکھے جاتے ہیں، مثلا ایک اسٹیبل کوائن ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی Tether USDT کے حوالے یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے کچھ اثاثے جو رکھے ہیں وہ منی لانڈرنگ اور آف شور کمپنیوں کے حوالے سے مشہور ملک باہماس Bahamas میں رکھے ہیں[8] یا پھر امریکہ یا دیگر ممالک میں اثاثوں، بانڈز وغیرہ کی صورت میں رکھے ہیں۔

اسٹیبل کوائن کے مقابلے میں حقیقی کرنسی یا سونا چاندی کی موجودگی پر عالمی ادارے اور محققین تشویش کا اظہار کرتے ہیں اور اس کو محض ایک دعوی تصور کرتے ہیں، حقیقت میں پیچھے کچھ بھی نہیں ہے یا پھر بہت جزوی مقدار میں حقیقی کرنسی یا سونا چاندی موجود ہوتا ہے[9] بعض اوقات ان اثاثوں کے ذخائر Reserves کا اظہار نہیں کیا جاتا یا پھر آڈٹ رپورٹ ان اثاثوں کے ذخائر سے متعلق کچھ اور ہی حقائق پیش کرتے ہیں۔ ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی کی ہی مثال لے لیجئے! جب اس کی اثاثوں کے ذخائر کی رپورٹ پیش کی گئی تو سرمایہ کار حیران رہ گئے کیونکہ صرف تقریباً چھبیس فیصد ذخائر کیش Cash، فیوڈسری ڈیپوزٹ Fiduciary Deposits، گورنمنٹ سیکورٹیز Government Securities وغیرہ میں تھے جبکہ پچاس فیصد اثاثوں کے ذخائر کمرشل پیپر Commercial Paper کی صورت میں تھے لہٰذا یہ دعوی کہ ہر ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی کے پیچھے ایک حقیقی کرنسی کا یونٹ (امریکی ڈالر) ہے یہ محض دھوکہ دہی پر مبنی ہے اور یہ امریکی کانگریس کی رپورٹ ہے[10] نیز سائنسی تحقیقات ثابت کرتی ہیں کہ اسٹیبل کوائن کو بنیادی طور پر کرپٹو کرنسی کی خرید وفروخت میں استعمال کیا جاتا ہے[11-12]۔

آج کل یعنی ۲۰۲۵ء میں بھی جو ٹیتھر کمپنی اپنی اثاثوں کے ذخائر Reserves کی آڈٹ رپورٹ پیش کرتی ہے وہ بھی اس بات کی نفی کرتی ہے کہ ہر یو ایس ڈی ٹی کے پیچھے امریکی ڈالر ہے بلکہ حیران کن بات یہ ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے اثاثوں میں بٹ کوائن، امریکی ٹریژری بل، منی مارکیٹ فنڈ، کارپوریٹ بونڈز وغیرہ بھی شامل ہے[13] مضحکہ خیز صورتحال یہ ہے کہ ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی کی کمپنی خود اپنے اس دعوی سے دستبردار ہو چکی ہے کہ اس کے جاری کردہ ہر یو ایس ڈی ٹی کے پیچھے امریکی ڈالر ہے بلکہ اب انہوں نے اپنی مارکیٹنگ اسٹریٹجی تبدیل کر لی ہے اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہر جاری کردہ یو ایس

ڈی ٹی کے پیچھے اثاثوں کے ذخائر Reserves ہیں[۱۴]۔ہم پہلے ہی امریکی ریاست نیویارک اٹارنی جنرل کی تحقیقات مہیا کر چکے ہیں کہ یہ محض دعوی ہیں اور حقیقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔

برطانوی پارلیمنٹ میں جمع کی گئی رپورٹ کے مطابق بھی ہر جاری کردہ یو ایس ڈی ٹی یونٹ کے پیچھے امریکی ڈالر نہیں ہے۔[۱۵]

ہمارے مہیا کیے گئے سائنسی و قانونی حوالہ جات و حقائق آج تک کی تاریخ کے مطابق تازہ ہیں یعنی جنوری ۲۰۲۶ء تک۔بعض کرپٹو کرنسی کے مجوزین عام عوام کو مغالطے میں ڈالنے کیلئے محض زبانی یہ کہہ دیتے ہیں کہ اب نئی تحقیق ہوئی ہے اور چیزیں بڑی رفتار سے تبدیل ہورہی ہیں، گزارش یہ ہے کہ یو ایس ڈی ٹی (ٹیتھر) کی ماہیت وحقیقت میں کوئی بھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے اور اگر کوئی اس کے برخلاف دعوی کرتا ہے تو وہ قانونی اور سائنسی حوالہ جات اور حقائق کی روشنی میں ثابت کرے، محض زبانی کلامی دعوی سے حقائق مسخ نہیں کیے جاسکتے!یہ تمام قانونی وسائنسی حوالہ جات کسی کی بھی تسلی کیلئے کافی ہیں لیکن پھر بھی اگر کوئی یہ اشکال کرتا ہے کہ یو ایس ڈی ٹی کے ہر یونٹ کے پیچھے امریکی ڈالر بطور اثاثہ موجود ہے تو اس کو قانونی وسائنسی مستند حوالہ جات پیش کرنے چاہئیں، محض زبانی دعوی پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ:

☆ امریکی ریاست نیویارک میں یو ایس ڈی ٹی کی خرید وفروخت پر مکمل پابندی ہے۔

☆ امریکی ریاست نیویارک کے اٹارنی جنرل آفس کے تحقیقات کے مطابق یو ایس ڈی ٹی کے ہر یونٹ کے پیچھے امریکی ڈالر بطور اثاثہ موجود نہیں ہے اور اس کمپنی نے غلط بیانی سے کام لیا ہے اور اس غلط بیانی کی وجہ سے ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی پر تقریبا اٹھارہ ملین امریکی ڈالر کا جرمانہ کیا تھا اور کمپنی نے وہ ادا بھی کر دیا۔

☆ یو ایس ڈی ٹی (ٹیتھر) کرپٹو کرنسی کی اصل بنیاد بٹ کوائن کرپٹو کرنسی کی بلاک چین ہے۔

☆ یو ایس ڈی ٹی (ٹیتھر) کو بٹ کوائن بلاک چین پر جاری کیا گیا، اومنی لیئر کے تحت یہ بٹ کوائن بلاک چین پر موجود ہے۔

☆ یو ایس ڈی ٹی (ٹیتھر) ایک ٹرانزیکشنل لیجر ہے جس میں مبیع کے بغیر محض ٹرانزیکشن کی خرید وفروخت ہوتی ہے۔

☆ یہ دعویٰ محض دھوکہ دہی پر مبنی ہے کہ ہر ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی کے پیچھے ایک حقیقی کرنسی امریکی ڈالر

کا یونٹ ہے۔

☆ اسٹیبل کوائن ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی کو بنیادی طور پر کرپٹو کرنسی کی خرید و فروخت میں استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ اسٹیبل کوائن ٹیتھر یو ایس ڈی ٹی وغیرہ دراصل کھاتے میں فرضی نمبروں کا اندراج ہے۔

☆ اس میں حقیقی سونا چاندی یا دیگر اثاثوں کی حقیقی یا معنوی قبضہ اور منتقلی بھی نہیں ہوتی۔

☆ سافٹ ویئر کی طرح اس کا کوئی ڈیجیٹل وجود نہیں ہے اور اس سے کوئی ذاتی انتفاع بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

☆ اس میں کئی جگہ غررِ کثیر کا عمل بھی شامل ہے۔

☆ ٹیتھر ڈی سینٹرلائزڈ کرپٹو کرنسی بھی نہیں ہے اور یہ خود اپنے وائٹ پیپر میں اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔

☆ نہایت قابلِ غور بات یہ ہے کہ یو ایس ڈی ٹی (ٹیتھر) کمپنی ان گم نام ملکوں سے آپریٹ کرتی ہے جو کہ منی لانڈرنگ کے لیے مشہور ہیں مثلاً British Virgin Islands اور ایل سلواڈور Elsalvador یعنی امریکہ تو اپنے صارفین کو یو ایس ڈی ٹی میں خرید و فروخت سے بچائے اور ریاستِ نیویارک میں اس پر مکمل پابندی ہو اور اس کی غلط بیانی پر جرمانہ کیا گیا ہو جبکہ دنیا کی عام عوام یو ایس ڈی ٹی کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اپنا سرمایہ گمنام لوگوں کے حوالے کردے؟

ایک اہم بات جس کی جانب قارئین کی توجہ دلانا چاہوں گا وہ یہ کہ جتنی بھی کرپٹو کرنسی موجود ہیں (سترہ ہزار سے زائد) اور جس قسم کی بھی ہیں اور جس عنوان کے تحت بھی ہیں، ان کے پیچھے کوئی اثاثہ جات نہیں ہوتے۔تمام کرپٹو کرنسیاں دراصل فرضی نمبروں کا کھاتے میں اندراج ہوتی ہیں، ان میں صرف ٹرانزیکشن کا تبادلہ اور خرید و فروخت ہوتی ہے اور اس میں کوئی مبیع نہیں ہوتا، نیز یہ سارا سلسلہ دراصل کرپٹو کرنسی کے نظام ہی کو مزید تقویت دینے کیلئے بنایا گیا ہے اور اصل مقصد بٹ کوائن اور دیگر کرپٹو کرنسیوں کے کاروبار کو مزید ترویج دینا ہے۔دراصل بٹ کوائن یا کسی دوسری کرپٹو کرنسی مثلاً ایتھریم کے کمپیوٹر کوڈ کو لے لیا جاتا ہے، اس کا نام تبدیل کردیا جاتا ہے اور یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ یہ نئی کرپٹو کرنسی ہے اور اس کے پیچھے تو اثاثہ ہے۔

کرپٹو کرنسی کے حامی حضرات کرپٹو کرنسی کی جدید شکلیں پیش کرتے رہتے ہیں، کبھی یہ این ایف

ٹی Non Fungible Tokens (NFTs) کی شکل میں آتے ہیں، کبھی ڈی سینٹرلائزڈ فنانس Decentralized Finance (DeFi) کی شکل میں، کبھی یہ شکل تبدیل ہوکر میٹاورس Metaverse بن جاتی ہے تو کبھی ابتدائی کوائن آفرنگ Initial Coin Offerings (ICOs)۔ کبھی ٹوکنائزیشن یا ٹوکونومیکس Tokenization or Tokenomics کی شکل میں یا کبھی ڈیجیٹل اثاثہ یا کرپٹو اثاثہ Digital Assets or Crypto Assets کی شکل میں۔ غرض مقصد کسی طریقے سے کرپٹو کرنسی ہی کو رواج دینا ہے اور کرپٹو کرنسی کی مارکیٹ ہی کی ترویج و اشاعت ہے۔ اہلِ علم اس کی طرف توجہ فرمائیں۔ یہ بات ہماری اپنی ذہنی اختراع نہیں بلکہ عالمی معاشی ماہرین اور سائنسدان بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ ہمیں یہ کہتے ہوئے کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی کہ کرپٹو کرنسی اور خاص طور پر ایسی کرپٹو کرنسیاں جن کے پیچھے اثاثوں رکھے گئے ہیں، میں تضادات کی بھرمار ہے۔

فابیو پانیٹا (Fabio Panetta) معروف بین الاقوامی ماہر معیشت ہیں (یورپین سینٹرل بینک کے ایگزیکٹو بورڈ ممبر ہیں) نے ۲۲ ویں بی آئی ایس سالانہ کانفرنس بمطابق ۲۰۲۳ء میں اپنی حالیہ تقریر میں کہا کہ کرپٹو نئے سرمایہ کاروں کو راغب کرنے کے لیے نئی داستانیں تشکیل دے رہا ہے۔[۱۶] وسیع تر معنوں میں کرپٹو کرنسی کی ان جدید شکلوں کو کرپٹو کرنسی کے نظام کی ری برانڈنگ کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے، کرپٹو سے جڑی ان جدید شکلوں کا مقصد کرپٹو اثاثوں پر مبنی معیشت کو سہارا دینا ہے، یہ کرپٹو اثاثوں پر مبنی مصنوعات کی مارکیٹ تک رسائی کے لیے ایندھن کا کام کرتا ہے۔ انہی فابیو پانیٹا کے مطابق جس کا مفہوم یہ ہے کہ کرپٹو اثاثوں کا غبارہ تو پھٹ چکا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کرپٹو کا اختتام ہوجائے گا۔ لوگ جوا کھیلنے کے شوقین ہیں اور کھیلتے رہیں گے اور کرپٹو میں سرمایہ کاری ان لوگوں کو جوا کھیلنے کا موقع فراہم کرتا رہے گا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کرپٹو کرنسی انڈسٹری کے کوئی سماجی فوائد نہیں ہیں اور اسے اگر ریگولیٹ کرنا بھی ہے تو بطور جوا کی ایک قسم کے اس کو ریگولیٹ کیا جائے یعنی ایک طرح سے کرپٹو سینٹرلائزڈ جوئے کی شکل Centralized form of Gambling ہے کیونکہ ۲۰۱۵ء سے ۷۵ فیصد بٹ کوائن حجم سینٹرلائزڈ اداروں کے پاس ہے۔

کیون ڈیوس (جو یونیورسٹی آف میلبورن) آسٹریلیا میں فنانس کے پروفیسر ہیں، سمجھتے ہیں کہ کرپٹو جوا ہے، جس کا کوئی سماجی فائدہ نہیں ہے اور یہاں تک کہ کرپٹو کرنسی کے لیے سرمایہ کاری یا کرپٹو اثاثے کی اصطلاحات استعمال کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے حالیہ مضمون میں لکھا:

دوسرا، اصطلاح ''اثاثہ'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ شے یا تو جاری کنندہ کی ذمہ داری ہے، یا مادی یا

غیر مادی اثاثہ کی ملکیت کی نمائندگی کرتی ہے جس میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ مستقبل کی آمدنی یا سروسز آف ویلیو پیدا کرنے کے لیے استعمال ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ کرپٹو آئٹم کی واحد ممکنہ قیمت یہ ہے کہ کوئی دوسرا جواری انہیں زیادہ قیمت پر خریدنے کے لیے تیار ہو سکتا ہے۔[۱۷]

اسی طریقے سے برطانیہ کی ٹریژری کمیٹی ہاس آف کامنز یعنی ایوانِ زیریں نے ریگولیٹنگ کرپٹو کے عنوان سے جو برطانوی حکومت کو اپنی سفارشات پیش کیں تھیں ان میں واضح طور پر کرپٹو کو جوے کے طور پر ریگولیٹ کرنے کی پرزور تجویز دی تھی جو کہ درجِ ذیل ہے۔

اس لیے ہم زور دے کر تجویز کرتے ہیں کہ حکومت بغیر پشت پناہی والے کرپٹو اثاثوں میں ریٹیل تجارت اور سرمایہ کاری کی سرگرمی کو فنانشل سروس کے بجائے جوا کے طور پر ریگولیٹ کرے، تاکہ اس کی بیان کردہ اصول یکساں خطرہ، یکساں ریگولیٹری نتیجہ کے مطابق ہو۔[۱۸]

کرپٹو کرنسی سے متعلق جید مفتیانِ کرام اور مستند دارالافتا کا بہت ہی واضح موقف ہے کہ وہ شرعی طور پر مال نہیں اور اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے مگر کچھ حضرات اب اسلامک کرپٹو کرنسی کے عنوان سے بھی کرپٹو کرنسی کی ترویج و اشاعت پر کمر بستہ ہوگئے ہیں۔ حضرات مفتیانِ کرام کے مطابق ان حضرات کا کرپٹو کرنسی میں صرف اسلامک یا حلال سابقہ لگانے سے کرپٹو کرنسی شرعی طور پر جائز نہ ہوجائے گی اور محض کرپٹو کرنسی کے نام کی تبدیلی سے حکم تبدیل نہ ہوجائے گا جب تک کرپٹو کرنسی میں موجود بنیادی خامیوں (شرعی محظور) کو مکمل طور پر ختم نہ کیا جائے ۔ راقم نے اس پر ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے جو کہ جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ترجمان ماہنامہ ''الحق'' میں ''اسلامک کرپٹو کرنسی'' کے عنوان سے اپریل میں شائع ہو چکا ہے، اس کو دیکھ لیا جائے، اس میں تفصیل دلائل بیان کردیئے گئے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

[1] New York State Atorney General Office Press Release, accessed 29th Dec 2025.

Link: https://ag.ny.gov/press-release/2021/attorney-general-james-ends-virtual-currency-trading-platform-bitfinexs-illegal

[2] Office of the Atorney General New York. Accessed 30th Dec 2025.

Link: https://ag.ny.gov/press-release/2021/attorney-general-james-ends-virtual-currency-trading-platform-bitfinexs-illegal

[3] Office of the Atorney General New York, Decision. Accessed 30th Dec 2025.

Link: https://ag.ny.gov/sites/default/files/2021.02.17_-_settlement_agreement_-_execution_version.b-t_signed-c2_oag_signed.pdf

[4] Enforcement Order, CFTC, USA.

Order instituting proceedings pursuant to section 6(c) and (d) of the commodity exchange act, making findings, and imposing remedial sanctions against Tether Holdings Limited, et al, Docket CFTC No.22-04, October 15,2021. Link: https://www.cftc.gov/media/6646/enftetherholdingsorder101521/download

[5] Omni Layer Protocol, accessed 29th Dec 2025. https://www.omnilayer.org/

[6] Tether White paper, accessed 29th Dec 2025.

https://assets.ctfassets.net/vyse88cgwfbl/5UWgHMvz071t2Cq5yTw5vi/c9798ea8db99311bf90ebe0810938b01/TetherWhitePaper.pdf

[7] Tether White paper, accessed 29th Dec 2025.

https://assets.ctfassets.net/vyse88cgwfbl/5UWgHMvz071t2Cq5yTw5vi/c9798ea8db99311bf90ebe0810938b01/TetherWhitePaper.pdf

[8] https://www.ft.com/content/e4cb9a6e-cb29-4719-b6ee-33a5bf01945e

[9] Angelos Delivorias, Stablecoins: Private-sector quest for cryptostability, EPRS | European Parliamentary Research Service, Nov 2021.

Link: https://www.europarl.europa.eu/RegData/etudes/BRIE/2021/698803/EPRS_BRI(2021)698803_EN.pdf

[10] Eva Su, How Stable Are Stablecoins?, Report: IN11713, Congressional Research Service (CRS), July 2021.

Link: https://crsreports.congress.gov/product/pdf/IN/IN11713

[11] Lai T. Hoang and Dirk G. Baur, How Stable Are Stablecoins? The European Journal of Finance, Jul 2021.

[12] John M. Griffin and Amin Shams, Is Bitcoin Really Un-Tethered? 2019. Available at SSRN: https://ssrn.com/abstract=3195066 or http://dx.doi.org/10.2139/ssrn.3195066

[13] Tether Reserves Report, accessed 29th Dec 2025.

Link: https://tether.to/en/transparency/?tab=reports

[14] Tether are backed 100% by Tethers Reserves, accessed 29th Dec 2025.

Link: https://tether.to/en/transparency/?tab=reports

[15] UK Parliament, accessed 29th Dec 2025.

Indeed, the largest current issuer of stablecoins, Tether, only holds about 50% of its asset portfolio in highly liquid US$ Treasury bills and cash. The rest is in foreign assets and private sector assets including secured loans (6.8%), commercial paper and corporate bonds (June 2022).

Link: https://committees.parliament.uk/writtenevidence/111309/pdf/

[16] Fabio Panetta, Paradise lost? How crypto failed to deliver on its promises and what to do about it, Panel on the future of crypto at the 22nd BIS Annual Conference, 23 June 2023, Basel, Switzerland.

Link: https://www.ecb.europa.eu/press/key/date/2023/html/ecb.sp230623_1~80751450e6.en.html

[17] Kevin Davis, Why crypto is gambling and not investing, Financial Review, Jan 2022.

[18] Regulating Crypto, Fifteenth Report of Session 202223, Treasury Committee, House of Commons, Ordered by the House of Commons to be printed 10 May 2023, UK Parliament.

Link: https://committees.parliament.uk/publications/39945/documents/194832/default/

…………………………………………….

نکتہ نظر

پروفیسر ڈاکٹر عبدالحی ابڑو*

دینی مدارس میں فقہ واصول فقہ کی تدریس اصلاحات کی ضرورت

دینی مدارس کا نظام بہت سی خوبیوں کا حامل ہے تاہم اسے مزید موثر بنانے کی ضرورت ہے۔اس وقت اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کرنا ہمارے پیش نظر نہیں، صرف مختصر طور پر فقہ واصول فقہ کی تدریس کے حوالے سے کچھ گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔

دینی مدارس میں فقہ واصول فقہ کا موجودہ نصاب جن علمائے کرام نے ابتدا تجویز کیا تھا غالبًا ان کے پیش نظر یہ تھا کہ طلبہ اپنے فقہی ذخیرے سے واقف ہو جائیں اور چونکہ برصغیر میں مسلمانوں کی کثیر تعداد حنفی تھی لہٰذا انہوں نے حنفی متون میں سے قدوری اور ہدایہ اوران کے اصول استنباط کو سمجھنے کے لئے اصول میں نورالانوار اور مسلم الثبوت جیسی کتب شامل کرنے پر اکتفا کیا۔ان کے پیش نظر یہ تھا کہ علمائے کرام مساجد میں عام مسلمانوں کو دینی مسائل بتاسکیں، فتاوی جاری کرسکیں اور مدارس میں فقہ کی تدریس کے اہل ہو جائیں جبکہ آج حالات بدل چکے ہیں اور مقاصد تدریس کے حوالے سے ہم مندرجہ ذیل تجاویز اہل مدارس کے غور وفکر کے لیے ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

فقہ میں تقابلی مطالعہ کو رواج دیا جائے اور حنفی فقہ کیساتھ دوسرے مذاہب کا مطالعہ بھی کرایا جائے، اس سے طلبہ کے علم میں وسعت آئے گی،توسع پیدا ہوگا اور مسلک پرستی کا اثر کم ہوگا،اس کیلئے پرانی کتابوں میں سے بدایۃ المجتہد اورنئی کتابوں میں سے وہب الزحیلی کی الفقہ الاسلامی وادلتہ کا مطالعہ کرایا جاسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسے مذاہب کے فقہ کے اساتذہ سے کچھ محاضرات دلوا دیئے جائیں۔

☆ پاکستان کے آئین اورقوانین خصوصاً اسلامی قوانین کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

☆ مغربی ممالک میں مقیم مسلمانوں اوراقوام متحدہ کے قوانین کے مسلم ممالک پر انطباق کی وجہ سے اقوام متحدہ کے قوانین (مثلاً بنیادی انسانی حقوق کا ڈکلیریشن) کا مطالعہ بھی کرایا جانا چاہیے۔

☆ فقہ القرآن والسنۃ کو بھی جزو نصاب ہونا چاہیے اور طلبہ کو اس کی پریکٹس بھی کروائی جانی چاہیے تاکہ انہیں قرآن وسنت سے استنباط کا سلیقہ آجائے۔

---

* چیئرمین شعبہ تحقیق ومطبوعات، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد

☆ متون رٹنے کی بجائے طلبہ کو ان کے فہم کی طرف متوجہ کیا جائے، اس کے لئے کوئی حرج نہیں اگر ابتدائی درجوں میں فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں اردو میں پڑھیں اور آخری سالوں میں جب ان کی عربی بہتر ہو جائے تو پھر عربی مراجع سے بھی استفادہ کر لیں۔

☆ تقابلی مطالعے اور پاکستانی و بین الاقوامی قوانین کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ طلبہ کو عربی کیساتھ انگریزی زبان میں بھی اتنی مہارت ہو کہ وہ انگریزی عبارتوں کو بسہولت پڑھ اور سمجھ سکیں۔

☆ عصری علوم کا ضرورت کی حد تک مطالعہ بھی ناگزیر ہے کیونکہ ڈی این اے، بینکنگ، انتقال اعضاء اور دوسرے بہت سے جدید امور میں علمائے اسلام سے سوالات کئے جاتے ہیں۔

☆ جن دینی مدارس میں تخصص فی الفقہ کا انتظام ہوتا ہے وہاں بالعموم فتویٰ جاری کرنے کی صلاحیت اور ٹریننگ پر زیادہ زور دیا جاتا ہے حالانکہ انہیں مذکورہ بالا تجاویز کے مطابق تقابلی مطالعے اور جدید فقہی مسائل کے حل پیش کرنے کی تربیت دی جانی چاہیے۔ اس کے لیے تخصص کی سطح پر طرق تحقیق کا ایک پرچہ لازما ہونا چاہیے تاکہ تخصص کے طلبہ جدید جامعات کے فقہ میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مساوی سمجھے جا سکیں۔

☆ اسی طرح اصول فقہ کی تدریس کے وقت احناف کے منہج استنباط کے ساتھ دوسرے مذاہب کے مناہج استنباط کا تقابلی مطالعہ بھی ضروری ہے، دوسرے مذاہب کے وجوہ استدلال سامنے آنے کے بعد ان کے باطل و گمراہ ہونے کا رجحان یقیناً کمزور پڑے گا اور ذہن میں یہ راسخ ہوگا کہ یہ ایک اجتہادی اور نصوص کی تعبیر و تشریح کا معاملہ ہے، ہمارے پاس ہمارے موقف کی دلیل ہے، ہم صرف ایک موقف کو بوجوہ ترجیح دے رہے ہیں۔

☆ ایک فقیہ اور ایک عام عالم میں اور ان کے طریق تربیت میں فرق ہونا چاہیے۔ فقیہ بنانے کیلئے ضروری ہے کہ طلبہ میں فقہ و استنباط کا ملکہ اور صلاحیت پیدا کی جائے اور اس کیلئے ضروری ہے کہ قرآن و سنت کے عمومی مطالعے کا خصوصی ذوق بیدار کیا جائے اور ماضی کے فقہا اور ان کے کام پر نظر رکھنے کے بعد ان کے سامنے فرضی اور تقدیری امور رکھ کر (جدید جامعات میں case study کی طرز پر) ان سے استنباط کی باقاعدہ مشق کرائی جائے تاکہ ان میں مجتہدانہ شان پیدا ہو جائے، آئیڈیل تربیت کا یہ معیار سامنے رکھا جائے تو پھر ہی کچھ ایسے طلبہ سامنے آئیں گے جو آج کے معاشرے اور ریاست کو جدید مسائل اور قانونی شعبے میں رہنمائی مہیا کر سکیں۔

امید ہے دینی مدارس ہماری ان تجاویز پر ہمدردانہ غور فرمائیں گے تاکہ دینی مدارس میں فقہ و اصول فقہ کی تدریس کا معیار بہتر سے بہتر ہو سکے۔

مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی

خزانہ الٰہی کی کنجی دعا اور اس کے دندانے لقمہ حلال

جس پیٹ میں حلال مال جائے وہ پیٹ مبارک ہے حلال اور حرام میں تمیز اسلامی اصولوں کے مطابق کرنی چاہیے اسلام حلال مال کھانے کا درس دیتا ہے اور حرام سے روکتا ہے۔ حلال مال کی طلب تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور ارشاد نبویؐ ہے کہ جس نے چالیس دن ایسی حلال روزی کھائی جس میں کچھ نہ حرام ملا ہو حق تعالیٰ اس کے دل کو نور سے بھر دے گا اور حکمت کے چشمے اس کے دل سے جاری کر دے گا، ایک اور روایت میں ہے کہ دنیا کی محبت اس کے دل سے نکال دیتا ہے اور حلال روزی کھانے والے کی دعا قبول ہوتی ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ جو حرام سے کھاتا ہے اس کی نہ فرض نماز قبول ہوتی ہے نہ سنت، ایک اور ارشاد ہے کہ جس نے ایک کپڑا دس درہم دے کر لیا جس میں ایک درہم حرام ہے تو جب تک وہ کپڑا بدن پر رہے گا اس کی نماز قبول نہ ہوگی اور جو گوشت بدن پر حرام روزی سے پیدا ہوا دوزخ کی آگ میں جلے گا، جس نے پرواہ نہ کی اس بات کی کہ مال کہاں سے پیدا کیا ہے اللہ پاک اس بات کی پرواہ نہ کرے گا کہ اس کو کہاں سے دوزخ میں ڈالے۔

ارشاد مصطفیؐ ہے جو طلب حلال میں تھک کر گھر جاتا ہے اور سو جاتا ہے اس کے سب گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور صبح کو جب وہ سو کر اٹھتا ہے اللہ پاک اس سے خوش ہوتے ہیں۔ نبی پاکؐ نے فرمایا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جو حرام سے پرہیز کرتا ہے مجھے شرم آتی ہے کہ اس سے حساب لوں، فرمان رسولؐ ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ کھانا کپڑا ان کا حرام ہے پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں ایسی دعا کب قبول ہوگی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ رزق حرام کھا کر عبادت کرنا ایسا ہے جیسے ریت یا پانی پر گھر بنایا جائے، حرام کھانے والے کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔

حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ حلال کمائی کی لذت اس شخص کو محسوس ہوتی ہے جو حرام کمائی چھوڑنے کی مکمل کوشش کرتا ہے

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے غلام کے ہاتھ سے تھوڑا سا دودھ پی لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کسی وجہ سے حلال نہیں ہے فوراً اپنی انگلی حلق میں ڈال کر قے کی اور اللہ پاک سے التجا کی کہ یا اللہ

!میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس مقدار سے جو میری رگوں میں رہ گیا ہے اور باہر نہیں نکلا، جو حلال روزی کھائے گا اس کے اعضاء اطاعت میں رہیں گے اور ہمیشہ توفیق خدا اس کے ساتھ رہے گی

ادب سے دیکھنا لوگو یہ میرا رزق حلال
کہ کم لگے بھی تو تاثیر میں زیادہ ہے

قرآن وسنت میں کثرت رزق کے اسباب بیان فرمائے گئے ہیں جن میں سے دس مندرجہ ذیل ہیں

(۱) استغفار کرنا (سورۃ نوح)

(۲) تقویٰ اختیار کرنا (سورۃ طلاق)

(۳) اللہ کی ذات پر توکل کرنا (مسند امام احمد بن حنبل)

(۴) حسب حیثیت صدقہ خیرات کرنا (سورۃ سباء)

(۵) شکر کرنا (سورۃ ابراہیم)

(۶) صلہ رحمی کرنا (صحیح بخاری شریف)

(۷) پاکدامنی کے لیے شادی کرنا (سنن النسائی)

(۸) لگا تار حج وعمرہ کرنا (سنن الترمذی)

(۹) گناہوں کو چھوڑ دینا (سنن ابن ماجہ)

(۱۰) صبح سویرے رزق کی تلاش میں نکلنا (سنن ابی داؤد)

آج معاشرے میں حلال حرام کی تمیز نہیں رہی اسی وجہ سے ہر دوسرا آدمی پریشان دکھائی دیتا ہے، حلال میں اللہ پاک نے مٹھاس اور سکون رکھا ہے حرام مال میں سے لذت اٹھا دی گئی ہے، جو لوگ معاملات کو درست رکھتے ہیں وہ ہمیشہ سرشار رہتے ہیں اور جن کے معاملات اچھے نہیں وہ پریشانیوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

ہمارے اسلاف اس بات کا بہت خیال رکھا کرتے تھے کہ کہیں کسی کا حق نہ مارا جائے۔ایک اللہ والے کسی بیمار کے سرہانے بیٹھتے تھے اس کی بیمار پرسی کیا کرتے تھے جب وہ بیمار مر گیا تو فوراً اس کے کمرے میں لگے ہوئے چراغ کو بجھا دیا کہ اب اس کا تیل ورثاء کا حق ہے (سبحان اللہ) ایسے ہی لوگوں کی دعائیں پھر عرش والا رد نہیں کرتا ان کے چلنے پھرنے کو بھی عبادت کا درجہ دیا جاتا ہے۔

یہ مقام ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو احتیاط سے کام لیتے ہیں ۔حضرت عمرؓ نے غنیمت کا مشک گھر میں اپنی اہلیہ کو دیا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے حصے کرو! آپؓ کی اہلیہ نے اس کے چھوٹے چھوٹے حصے کر دیے ہاتھ سے دوپٹہ کو چھوا تو اس دوپٹہ سے خوشبو آنے لگی آپؓ نے فرمایا کہ تمہارا مقنع خوشبو کیوں دیتا ہے؟ یہ تو تمام مسلمانوں کا حق ہے۔

اللہ اکبر یہ حضرت عمرؓ کی شان فاروقی تھی کہ مسلمانوں کی جان و مال کا کتنا خیال رکھا کرتے تھے تبھی تو زمین ان کے پاؤں کی ٹھوکر سے فوراً سکوت اختیار کر لیتی تھی جس زمین پر عدل وانصاف ہوتا ہے دوسروں کے مال کی نگہبانی ہوتی ہے اس زمین کو بھی قرار ملتا ہے ،جہاں غیروں کے مال کو اپنا سمجھا جائے اور عوام الناس کے مال کو بے دریغ استعمال کیا جائے تو زمین ہی کیا زمین میں رہنے والی مخلوقات بھی ایسے لوگوں کے لیے بددعائیں کرتی ہیں

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے مشک لائی گئی تو آپ نے فوراً اپنی ناک پکڑ لی کہ اس کی خوشبو کہیں میری ناک میں نہ چلی جائے کیونکہ اس پہ تمام مسلمانوں کا حق ہے،حضرت امام حسنؓ نے صدقہ کے مال میں سے ایک خرما لے کو منہ میں رکھ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کخ کخ القھا یعنی ''اس کو پھینک دے۔'' جب تربیت ایسی ہوگی تو اولاد بھی اپنے آباؤ اجداد کے اقوال وافعال کو اپناتے ہوئے ان کی طریقوں پہ اپنی جان کو قربان کیا کرتی ہے

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چالیس دن شبہ کا مال کھائے گا اس کا دل سیاہ ہوجائے گا،غور کریں یہاں پہ تو جان بوجھ کر مال کو غصب کیا جاتا ہے،ڈاکہ زنی ،رشوت خوری کا بازار گرم ہے دل سیاہ سے بھی سیاہ تر ہو چکے ہیں ،نصیحت بے فائدہ جاتی ہے عمل نیک سے انسان دور اور عمل بد پہ انسان خوش دکھائی دیتا ہے اصل وجہ پیٹ کو لقمہ حلال میسر نہ ہونا ہے۔یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ ''طاعت خزانہ الٰہی ہے اور اس کی کنجی دعا ہے اور اس کے دندانے لقمہ حلال ہیں۔''

اب آپ اندازہ لگائیں خزانہ الٰہی کو حاصل کرنے کے لیے دعا کی کنجی کی ضرورت ہے اور جس کنجی کے دندانے نہ ہوں تو تالا نہیں کھلتا ہے لقمہ حلال دعا کی کنجی کے دندانے اب دندانوں کو بھی سلامت رکھنے کی ضرورت ہے تا کہ دعا کی کنجی سے خزانہ الٰہی حاصل ہو سکے، اللہ پاک ہمیں حلال کی وافر روزی عطا فرمائے اور حلال کے کاموں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین یارب العالمین)

صاحبزادہ عبدالحق ثانی

دارالعلوم کے شب و روز

نائب مہتمم و مدیر ''الحق'' مولانا راشدالحق سمیع صاحب مدظلہ کی مصروفیات

ڈپٹی کمشنر نوشہرہ جناب عرفان اللہ محسود کا جامعہ میں وفاق کے امتحانی ہالز کا دورہ

۲۱ جنوری بروز بدھ ضلع نوشہرہ کے ڈپٹی کمشنر نوشہرہ جناب عرفان اللہ محسود اور دیگر اعلی افسران صاحبان جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے ، دارالعلوم حقانیہ پہنچنے پر نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ مولانا راشد الحق سمیع صاحب،مولانا سید محمد یوسف شاہ صاحب،راقم (مولانا عبدالحق ثانی) اور مفتی ظفر زمان صاحب سمیت جامعہ کے دیگر اساتذہ کرام نے ڈپٹی کمشنر کا استقبال کیا اور دارالعلوم تشریف لانے پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ڈپٹی کمشنر صاحب کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر اہتمام جاری سالانہ امتحان کے مختلف ہالوں کا معائنہ کرایا گیا ،آپ نے دارالعلوم کے مختلف امتحانی سینٹرز کا معائنہ کیا اور وفاق المدارس کے امتحانی نظم ونسق کی تعریف کی۔اس کے بعد مہمانوں نے دارالعلوم حقانیہ میں جاری ترقیاتی کاموں ، جدید کتب خانہ،طلبا کیلئے نئے جم، نئے کھیل کے میدان ,اکیڈمک وایڈمنسٹریشن بلاک اور طلبا کیلئے زیر تعمیر ہاسٹل پر کام کی رفتاراور معیار کا جائزہ لیا۔ڈپٹی کمشنر نوشہرہ نے دارالعلوم حقانیہ کے زیر اہتمام دینی علوم کیساتھ ساتھ طلبا کیلئے علمی اور غیر نصابی صحت مندانہ سرگرمیوں کے انعقاد کو سراہا اور انتظامیہ کی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کیا۔ بعدازاں ڈپٹی کمشنر صاحب نے مقبرہ حقانیہ میں مرحومین کے لئے فاتحہ خوانی کی ۔

۶ جنوری: مولانا راشدالحق سمیع صاحب (نائب مہتمم جامعہ حقانیہ) نے دارالحدیث میں ترمذی شریف جلد دوم کا آخری سبق پڑھایا۔ دورہ حدیث کے طلبا نے حسب سابق اپنے محبوب الطلبا مشفق استاد (نائب مہتمم جامعہ) کا فقید المثال استقبال کیا اور اپنی عقیدت وارفتگی اور بے پناہ محبتوں سے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔تقریب کے آخر میں عظیم مصنف خطیب جامع مسجد حضرت مولانا عبدالحق، حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے دعا کرائی اور طلبا کو نصیحتیں اور موثر وعظ فرمایا۔

مولانا حامدالحق شہیدؒ کی خدمات پر تعزیتی اجتماعات،مہمانوں کی آمد اور راقم کی سیاسی مصروفیات:

گورنر سندھ کامران ٹیسوری سے ملاقات

۲۵/دسمبر کو راقم (مولانا عبدالحق ثانی) کی گورنر سندھ کامران خان ٹیسوری سے گورنر ہاؤس کراچی میں

ملاقات ہوئی، راقم نے گورنر سندھ کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ علما اور مذہبی طبقے نے ہمیشہ پاکستان کی سلامتی، تحفظ اور ترقی میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ مذہبی طبقے سے زیادہ حب الوطن کوئی نہیں ہوسکتا۔ گورنر سندھ کامران ٹیسوری نے راقم کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ خاندان حقانی اور جمعیت علماء اسلام (س) کی خدمات ناقابل فراموش ہے اور ہم قدر کی نگاہ سے اسے دیکھتے ہیں۔ راقم نے گورنر سندھ کو جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک آنے کی دعوت دی جسے انہوں نے قبول کی۔ راقم کے ہمراہ جمعیت کراچی کا وفد مولانا حضرت ولی ہزاروی، قاری سیف الرحمٰن، مولانا ضیا الاسلام ٹکروی، مفتی ظل الرحمٰن، مولانا عبد الستار مدنی، مولانا شاہ خالد ہزاروی، مفتی ساجد یار خان، مولانا جریر یار خان، قاری نعمت اللہ، مولانا نواز الرحمٰن، قاری عارف اللہ، مولانا مامون الرحمٰن حقانی ہمراہ تھے۔

دورہ کراچی واندرون سندھ اور مختلف تقریبات و مدارس میں شرکت

۲۰ دسمبر: راقم نے چھ روزہ (۲۰ تا ۲۶ دسمبر) دورہ سندھ کیا جہاں مجلس اتحاد امت کے زیر اہتمام اور شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی کی زیر صدارت منعقد ہونے والی کانفرنس میں شرکت کی جس میں پاکستان کے مختلف مسالک کے جید علما اور مذہبی جماعتوں کے سربراہان شریک ہوئے، اس موقع پر اپنے خطاب میں اس اجلاس کی جانب سے پیش کئے جانے والے دس نکات کی بھرپور حمایت کی، علاوہ ازیں راقم نے مختلف دینی مدارس جامعہ بنوری ٹاؤن، جامعہ احسن العلوم، جامعہ دارالخیر، جامعہ صفہ، جامعہ محمودیہ، جامعہ حقانیہ، جامعہ رحمانیہ، جامعہ انوار العلوم کا دورہ کیا اور مدارس کے اساتذہ اور طلبہ سے خطاب کیا۔ اس سے قبل جمعیت علما اسلام (س) صوبہ سندھ کا بھرپور اجلاس جامعہ دارالخیر کراچی میں منعقد ہوا جس میں صوبہ بھر سے آئے ہوئے اراکین شوریٰ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ راقم (مولانا عبد الحق ثانی) نے بطور مہمان خصوصی شرکت کی اور جماعت کو فعال کرنے کے لئے صوبہ سندھ کی جماعت کی کوششوں کو سراہا، اجلاس میں صوبائی جنرل سیکرٹری مولانا عثمان سموں کی وفات کے بعد نئے سیکرٹری جنرل کے لئے پیر اسلم شیخ ایڈووکیٹ کو اتفاق رائے سے بقیہ دستوری مدت کے لئے صوبہ سندھ کا نیا سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا۔ دورہ کراچی کے موقع پر مفتی احمد الرحمٰن یار خان (امیر صوبہ سندھ و نائب مہتمم جامعہ دارلاخیر کراچی) میرپور خاص سے پیر اسلم شیخ ایڈووکیٹ صوبائی جنرل سیکرٹری، جمعیت کراچی کے رہنما حضرت ولی ہزاروی، قاری سیف الرحمٰن، حیدرآباد سے حافظ ارمان احمد چوہان صوبائی سیکرٹری اطلاعات، سانگھڑ سے معین الدین انصاری، ڈاکٹر نفیس سموں، مفتی ظل الرحمٰن، مفتی ساجد یار خان، قاری نعمت اللہ، مولانا ریاض الرحمان، قاری عبد الوہاب انقلابی، فدا عدیل، مولانا عبد اللہ و مولانا احسان الحق چوہان ابنا مولانا عبد الخالق ہزاروی صاحب و دیگر

ہمراہ تھے۔مولانا سمیع الحق شہیدؒ اور مولانا حامد الحق حقانی شہیدؒ کی شہادت کے بعد راقم کا یہ پہلا جماعتی دورہ سندھ ہے۔

یکم جنوری: مدارس کے تعلیمی سال (۱۴۴۷-۱۴۴۶ھ بمطابق ۲۰۲۶-۲۰۲۵) کے اختتام کے موقع پر راقم نے درجہ خامسہ میں حدیث کی کتاب حصہ ''آثار السنن''، درجہ ثالثہ میں ''تفسیر القرآن'' کے آخری پانچ پارے اور علم ادب کی کتاب ''نفحۃ العرب''، درجہ ثانیہ میں علم فقہ کی کتاب حصہ ''مختصر القدوری'' میں اپنے اسباق کا اختتامی درس و دعا کی۔

۳ جنوری: عالمی قراءت مقابلوں میں پاکستان کا نام روشن کرنے والے قاری ابوبکر اور ان کے والد محترم کی ملاقات کے لئے جامعہ حقانیہ تشریف لائے اور راقم سے ملاقات کی۔

۴ جنوری: جمعیت علما اسلام (س) کے مرکزی سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن درخواستی مدظلہ کے ادارے جامعہ عبداللہ بن مسعودؓ کے سہ روزہ سالانہ اجتماع سے راقم (مولانا عبدالحق ثانی) خطاب کیا،اس موقع پر مفتی حبیب الرحمان درخواستی مدظلہ، مفتی اسعد درخواستی امیر جمعیت (س) جنوبی پنجاب، ترجمان جمعیت مولانا عبدالصمد درخواستی، نائب امیر پیر رحمت الرحمان درخواستی صاحبان کے علاوہ ملک بھر سے آئے علما کرام و مذہبی رہنما موجود تھے، راقم نے حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن درخواستی مدظلہ کے ہمراہ خانپور میں پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔علاوہ ازیں سینیٹر مشتاق احمد خان صاحب سے خانپور اجتماع کے موقع پر ملاقات بھی ہوئی۔۴ جنوری: دین پور شریف میں حضرت میاں مسعود احمد دینپوری مدظلہ سے ملاقات کی اور ان سے دعائیں لیں۔۱۱ جنوری: پیر طریقت حضرت مولانا رحیم اللہ باچا صاحبؒ کے گلشن جامعہ اسلامیہ اضاخیل بالا کی تقریب تکمیل بخاری شریف میں شرکت کی اور خطاب کیا،اس موقع پر جامعہ کے مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا نثار اللہ باچا صاحب، نائب مہتمم حضرت مولانا انوار اللہ باچا صاحب، مولانا منیب اللہ باچا صاحب، حضرت مولانا عبدالواحد خطیب صاحب صوبائی امیر و دیگر موجود تھے۔

۱۴ جنوری: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے نواسے حضرت مولانا ارشد علی قریشی مدظلہ کے ادارے جامعہ اشرفیہ بجوڑی گیٹ پشاور کی تقریب تکمیل بخاری شریف و دستار بندی میں شرکت کی اور خطاب کیا۔

۱۷ جنوری: راقم کی ضلع اٹک میں جامعہ عبداللہ بن زبیرؓ کی تقریب دستار بندی میں شرکت کی اور خطاب کیا، اس موقع پر حضرت مولانا عبد القیوم حقانی صاحب، حضرت مولانا قاضی ارشد الحسینی صاحب، میزبان و مہتمم مدرسہ حضرت مولانا طارق محمود صاحب و دیگر موجود تھے۔

۲۵ جنوری: لاہور: راقم نے شبان ختم نبوت کے زیر اہتمام الحسن اسلامک سینٹر لاہور میں منعقدہ دس روزہ ختم

نبوت کورس سے خطاب کیا۔اس موقع پر شبان کے مرکزی امیر مولانا سید انیس شاہ، مبلغین مولانا شفیع الرحمٰن، مولانا منصور حقانی صاحبان نے شبان ختم نبوت کے مختلف شعبوں کی بریفنگ دی۔اس موقع پر جمعیت (س) لاہور کے اراکین مولانا طیب عثمان، قاری رحمت اللہ لاشاری، مولانا تنویر الاسلام، مولانا داد زاہد صاحبان ہمراہ تھے۔۲۲ جنوری: مولانا نور رحمٰن حقانی کے مدرسہ رحمانیہ کی تقریب دستار بندی میں شرکت کی اور خطاب فرمایا، تقریب سے مولانا سید محمد یوسف شاہ، مولانا عبدالحئی، قاری اسلم صاحبان و دیگر نے بھی خطاب کیا۔۲۲ جنوری: وفاق المدارس العربیہ کے زیر اہتمام منعقدہ سالانہ امتحانات کے آخری روز جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے امتحانی ہالوں کا دورہ کیا۔اس کے علاوہ وفاق المدارس کی جانب سے امتحانات کی نگرانی کے لئے آئے ہوئے نگران حضرات سے ملاقات بھی کی۔

وفیات: ۵ جنوری: یادگار اسلاف حضرت مولانا فضل الرحیم اشرفی صاحبؒ (مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور) کی نماز جنازہ میں شرکت کی، جنازہ میں عم مکرم حضرت مولانا راشد الحق سمیع (نائب مہتمم جامعہ حقانیہ)، مولانا عرفان الحق، مولانا لقمان الحق نے بھی شرکت کی۔بعدازاں حضرت مولانا زبیر حسن صاحب، حضرت مولانا سعد صاحب، مولانا حافظ اویس حسن اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے اساتذہ، علما اور طلبا سے تعزیت کی۔۲۰ جنوری کو دارالعلوم حقانیہ کی قدیم اور انتہائی مخلص وفادار علمی شخصیات حضرت مولانا مقصود گل حقانی (جمعیت علماء اسلام (س) کرک کے سرپرست) دوران طواف کعبہ مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئے تھے اور اسی طرح حضرت مولانا سلطان محمد حقانی بھی رحلت فرما گئے، دونوں مرحومین کا تعلق حقانیہ اور اس کے بزرگوں کے ساتھ بہت مخلصانہ اور عقیدت ومحبت سے بھرا ہوا تھا۔اللہ تعالیٰ مرحومین کی کامل مغفرت فرمائے، تمام جملہ پسماندگان، لواحقین، مریدین، شاگردوں کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین) بعدازاں ۲۲ جنوری کو راقم (مولانا عبدالحق ثانی) اپنے وفد کے ہمراہ حضرت مولانا مقصود گلؒ کی تعزیت کیلئے کرک گئے اور مرحوم کے صاحبزادگان مفتی مسعود حقانی و دیگر برادران سے تعزیت کی، اس موقع پر مرکزی سیکرٹری جنرل مولانا سید محمد یوسف شاہ، مولانا عبدالحئی صوبائی جنرل سیکرٹری اور جمعیت ضلع کرک کی عاملہ حافظ عید محمد، مولانا ظہیر صاحبان و دیگر ہمراہ تھے۔یاد رہے کہ حضرت مولانا مقصود گل صاحب گزشتہ دنوں سفر عمرہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں انتقال فرما گئے تھے۔حرم شریف میں جنازہ اور وہی مدفون ہوئے۔

۲۴/دسمبر: دورہ کراچی کے موقع پر حاجی عزیز الرحمٰن دیشانی صاحب سے انکے برادر اور جمعیت کے رہنما مولانا ریاض الرحمٰن سے ان کی دادی مرحومہ اور جمعیت کے دیرینہ رہنما خطیب مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کی وفات پر ان کے برخورداران سے تعزیت کی۔

مولانا محمد اسلام حقانی
نائب مدیر ماہنامہ ''الحق''

تعارف وتبصرہ کتب

● حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم تصنیف: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

ترجمہ: مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ضخامت: ۳۳۵ صفحات ناشر: محمد یوسف رنگ والا پوسٹ بکس ۴۹۹۴ کراچی

اسلام ایک ہمہ گیر اور مکمل ضابطہ حیات ہے، اس دینِ کامل کا سب سے روشن اور قابلِ اتباع نمونہ ذاتِ اقدس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال، افعال اور عملی اسوہ کے ذریعے امت کو عبادات کا طریقہ سکھایا اور ان کی روح، مقصد اور باطنی حقیقت واضح فرمائی، عبادات میں حج کو ایک مرکزی اور امتیازی مقام حاصل ہے، جو ایمان، عشق، اطاعت، بندگی اور روحانی ارتقاء کا جامع مظہر ہے، حج کا کامل اور زندہ نمونہ ہمیں حجۃ الوداع کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے ملتا ہے اور قیامت تک آنے والی امت کیلئے عملی رہنمائی کا سرچشمہ ہے، کتبِ حدیث اور فقہ میں اگرچہ حج کے احکام ومسائل مستقل ابواب کے تحت محفوظ ہیں لیکن اہلِ علم نے اس عظیم عبادت کی تفہیم وتوضیح کیلئے مستقل کتابیں بھی لکھیں ہیں، برصغیر کے عظیم محدث شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی تصنیف لطیف حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی مبارک علمی روایت کی ایک نہایت قیمتی اور حسین کڑی ہے، جس میں سیرتِ نبوی اور فقہِ حج کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں حضرت شیخ نے دو نہایت اہم موضوعات کا احاطہ کیا ہے، کتاب کا پہلا حصہ حجۃ الوداع سے متعلق ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ سے روانہ ہونے سے لے کر حج کے تمام مناسک کی ادائیگی تک کا مکمل اور مسلسل نقشہ کھینچ دیا گیا ہے اور اس مبارک سفر کے مختلف مراحل پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے اور دوسرا حصہ عمراتِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ادا کئے گئے تمام عمروں کی تفصیلات جمع کر دی گئی ہیں، یہ حصہ سیرتِ نبوی کے مطالعے میں ایک منفرد اضافہ ہے، یہ عربی زبان میں تصنیف کی گئی تھی، اردو دان طبقے کیلئے حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے نہایت سادہ، رواں اور بامحاورہ اردو میں اس کا ترجمہ پیش کیا، ترجمہ اس قدر شفاف اور دلنشیں ہے کہ قاری کو اصل مصنف کی

روح اور مقصد پوری طرح منتقل ہوتا نظر آتا ہے، اب یہ کتاب استاد محترم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ کی زیر اہتمام ونگرانی اور اور الحاج خالد یوسف رنگ والا کی کوشش سے منظر عام پر آئی ہے، علمی و عملی افادیت کے اعتبار سے یہ کتاب علماء وطلباء، خطباء و واعظین اور عامۃ الناس کیلئے یکساں مفید ہے، اللہ ہمیں اس عظیم کتاب سے صحیح معنوں میں استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

- ذکر خصوصیات سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم تالیف: مولانا محمد نورالحق علوی نور پوری

ضخامت: ۱۱۷ صفحات ناشر: مکتبہ دارالتصنیف والادب دارالعلوم نورالاسلام حاجی شاہ اٹک

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں اور اب تک لکھی جارہی ہیں اتنی انسانی تاریخ میں کسی اور شخصیت پر نہیں لکھی گئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کئی گوشے اور کئی پہلو ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں موجود علوم و معارف، حکم وعبر، رموز واسرار اور خصوصیات پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ''ذکر خصوصیات سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی اسی سلسلے کی ایک حسین کڑی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب'' ذکر خصوصیات سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم'' کوضلع اٹک کے جید عالم دین ومصنف حضرت مولانا نورالحق علوی صاحب نے مرتب کیا ہے، اس مبارک کاوش میں مؤلف موصوف رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے، مستند حوالوں سے مزین یہ کاوش سیرت کے موضوع پر ایک وقیع اضافہ ہے۔علماء، طلباء کے علاوہ عامۃ الناس بھی اس کتاب سے مستفید ہوسکتے ہیں۔اللہ اس مبارک کاوش کوامت مسلمہ کی رہنمائی کا ذریعہ ثابت فرمائے (آمین)

- لطائف المتن فی مناقب سیدنا الحسن تالیف: مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی

ضخامت: ۲۰۸ صفحات ناشر: ادارہ اشاعت الاسلام مانچسٹر 0302 - 4284770

ملنے کے لیے: القاسم اکیڈمی خالق آباد نوشہرہ، صدیقی ٹرسٹ کراچی، محمود پبلی کیشنز لاہور

شہزادہ صلح وامن سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے محبت ہر مسلمان کے دل میں ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ آقائے نامدار سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گود وسایہ میں پرورش پائی، آپ کا حضور اقدس صلی اللہ یہ علم سے مشابہت بہت زیادہ تھی، حضرت حسنؓ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب آپ کی زندگی کے خوبصورت نقوش اور بعض اہم تفصیلی اور تحقیقی واقعات پر

مشتمل ہے۔حضرت مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی مدظلہ،حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ کے شاگرد اور معتمد رہے ہیں، ان کے زیرسایہ علمی و تحقیقی کام بھی کرچکے ہیں، صحابہ واہل بیت سے محبت آپ کو اپنے شیخ حضرت علامہ صاحب سے ورثہ میں ملی ہے اور آپ ان کے علمی جانشین ہے۔یہ کتاب بھی حضرت علامہ صاحبؒ کی خواہش پر لکھی گئی ہے،موصوف کا استاد محترم شارح صحیح مسلم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ سے بھی خصوصی تعلق ہے اور اپنے علمی سوغات ان کے پاس بھیجتے رہتے ہیں، یہ کاوش درج ذیل عنوانات پر مشتمل ہے، علمی مقدمہ، حضرت حسن بن علیؓ کے نقوش حیات ، عہد صدیقی میں، عہد فاروقی میں ، عہد عثمانی میں ، عہد علوی میں ، حضرت امام حسنؓ کی خلافت ، حضرت امیر معاویہؓ سے صلح ، شرائط صلح پر ایک نظر، صلح حسن کے نتائج، ترک خلافت سے عقیدہ امامت کی تردید، سید کا لقب ، اولاد حسن میں خلافت کی واپسی، قرب قیامت کی نشانی، اخلاق و عادات ،حلم و تواضع ، زہد و تقویٰ ، سخاوت، ملفوظات، شہادت ، تدفین، نماز جنازہ ، ازواج اولاد، فضائل و مناقب اور امام حسنؓ کے چار عقیدے جیسے دیگر عنوانات قائم کرکے مؤلف موصوف نے نہایت مدلل بحث فرمایا ہے، صحابہؓ واہل بیتؓ سے محبت رکھنے والے ہر مسلمان کے لیے بہترین تحفہ ہے۔(سید حبیب اللہ شاہ حقانی)

- **روح کی بیماریاں: ان کے اسباب اور علاج تالیف: مولانا محمد حسین صدیقی**

ضخامت: دو جلد ۴۰۰ صفحات ناشر: زمزم پبلشرز اردو بازار کراچی

اسلامی تعلیمات میں انسان کی اصل حقیقت اس کا باطن ہے، ظاہری اعمال کی اصلاح اسی وقت بامعنی اور بارآور ہوتی ہے جب دل اور روح کی دنیا درست ہو، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے روحانی اور اخلاقی امراض کی تشخیص اور ان کے علاج پر غیرمعمولی زور دیا ہے اور اہلِ علم نے مختلف زبانوں میں روح کی بیماریوں پر مستقل اور جامع کتابیں تصنیف کیں ہیں، انہی علمی کوششوں میں ایک اہم اضافہ ''روح کی بیماریاں: ان کے اسباب اور علاج' بھی ہے۔

زیرتبصرہ کتاب ''روح کی بیماریاں: ان کے اسباب اور علاج'' کو مولانا محمد حسین صدیقی صاحب (استاد الحدیث جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی) نے مرتب کیا ہے، آپ کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جو درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں، یہ کتاب قارئین کو سادہ، واضح اور مؤثر انداز میں روحانی اصلاح کا شعور دیتی ہے، مؤلف موصوف نے اس کتاب میں روح کی بیماریوں کو نہایت منظّم انداز میں بیان کیا ہے، ہر بیماری کا تعارف، اس کی علامات، اسباب اور پھر قرآن وحدیث، آثارِ سلف اور اکابرِ امت کی روشنی میں اس

کا علاج پیش کیا ہے، یہ نہایت آسان اور عام فہم انداز میں لکھی گئی ہے، متوسط علمی ذوق رکھنے والا قاری بھی اس سے بھرپور استفادہ کرسکتا ہے، زمزم پبلشرز نے کتاب کو مناسب طباعت کیساتھ شائع کیا ہے، جس سے اسکی افادیت میں اضافہ ہوا ہے، اللہ اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائے (آمین)

- البیان الأوفیٰ فی تفسیر آیاتِ سماعِ الموتی تالیف: علامہ ابوالفضل شیرزمان راشد

ضخامت: ۳۶۰ صفحات ناشر: مکتبہ راشدیہ فاروق آباد تلہ گنگ۔ رابطہ نمبر 0306 2015330

امتِ مسلمہ میں بعض اعتقادی وفکری مسائل ایسے ہیں جو عہد خیر القرون ہی سے زیرِ بحث آتے چلے آ رہے ہیں، مسئلہ سماعِ موتی بھی انہی قدیم، معروف اور مختلف فیہ مسائل میں سے ایک ہے جس پر صدیوں سے اہلِ علم کے مابین بحث وتمحیص جاری ہے، اس موضوع پر ہر مکتب فکر کی جانب سے ہزاروں صفحات پر مشتمل سینکڑوں کتب، رسائل اور مقالات لکھے جا چکے ہیں اور ہر فریق نے اپنے موقف کے حق میں قرآن، حدیث اور آثارِ سلف سے استدلال کی کوشش کی ہے، ایسے ماحول میں یہ بات بہرحال قابلِ توجہ ہے کہ عصرِ حاضر میں امت کو جن زندہ، درپیش اور ہمہ گیر چیلنجز کا سامنا ہے، ان پر اپنی علمی وفکری توانائیاں صرف کرنا زیادہ ناگزیر محسوس ہوتا ہے، بنسبت ان فروعی اور قدیم اختلافی مسائل کے، جن پر پہلے ہی وافر علمی سرمایہ موجود ہے، اس کے باوجود چونکہ علمی روایت میں ہر دور میں اہلِ علم اپنے زاویہء نظر سے قدیم مسائل کو مرتب، منقح اور مدلل انداز میں پیش کرتے رہے ہیں، اس لئے ایسی کاوشوں کو مکمل طور پر نظرانداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔

زیرِ تبصرہ کتاب البیان الاوفیٰ فی تفسیر آیاتِ سماعِ الموتی' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے بریلوی مکتبِ فکر کے معروف عالمِ دین، علامہ ابوالفضل شیرزمان راشد صاحب نے قلم بند کیا ہے، آپ کا شمار بریلوی مکتب فکر کے ان اہلِ قلم میں ہوتا ہے جو تصنیف وتالیف کے میدان میں مسلسل سرگرم ہیں اور متعدد کتب کے مصنف ہیں، یہ کتاب قرآنِ مجید کی ان آیات کی تفسیر پر مرکوز ہے جن سے مصنف کے نزدیک سماعِ موتی کے اثبات پر استدلال کیا جا سکتا ہے، مصنف نے اپنے موقف کو سامنے رکھ کر دلائل جمع کئے ہیں، اس ضمن میں تفسیری اقوال سے استشہاد کیا گیا ہے، دورانِ بحث بعض مقامات پر مخالف مسلک کے اہلِ علم کیلئے قدرے سخت تعبیرات اور تند وتیز جملے بہرحال اعتدال کے زیادہ قریب نہیں سمجھے جاتے، اس پہلو سے ہر مصنف کو علمی تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہے، اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ ایک سنجیدہ، محنت طلب اور مربوط کاوش ہے، جس میں مصنف نے خاصی محنت سے اپنے موقف کو منظّم انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک اچھی کتاب ہے۔

● **عشر ادا کیجئے** **مؤلف: مولانا مفتی خالد محمود** (استاد الحدیث، آسٹریلیا مسجد لاہور)

ضخامت: ۹۶ صفحات ناشر: جامع مسجد محمدی، رحمان گلی نمبر ۳، نشتر روڈ لاہور۔ رابطہ: 0321-4093108

اسلام ایک ہمہ گیر نظامِ حیات ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کی اصلاح کا اہتمام کرتا ہے، مالی عبادات میں زکوٰۃ اور عشر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، عشر دراصل زرعی پیداوار پر عائد وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے مالداروں کے مال میں مستحقین کیلئے مقرر فرمایا ہے، قرآنِ کریم میں بارہا مال کو پاک کرنے، اس میں برکت پیدا کرنے اور معاشرتی توازن قائم رکھنے کے لیے ان احکام کی تاکید آئی ہے، عشر کی ادائیگی اللہ کے حکم کی تعمیل، طبقاتی خلیج کو کم کرنے، فقرا کی کفالت اور معاشرے میں عدلِ اجتماعی کے قیام کا مؤثر ذریعہ ہے، اس کے متعلق اسلامی تعلیمات بہت واضح ہے، مولانا مفتی خالد محمود صاحب نے اس پر مستقل کتاب لکھ کر اس کی اہمیت اور مسائل کو عام فہم انداز میں پیش کیا، مؤلف موصوف ایک معروف عالمِ دین اور مصنف ہیں، مسائلِ فقہ پر ان کی گہری نظر ہے، خصوصاً زکوٰۃ وعشر جیسے عملی اور معاشرتی احکام پر ان کی تحریریں امت کے لئے نہایت مفید ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب ''عشر ادا کیجئے'' ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے جس میں عشر کے متعلق بنیاد سے لے کر عملی مسائل تک کو منظم انداز میں بیان کیا گیا ہے، قرآنِ کریم میں عشر کا کیا تصور ہے؟ زرعی پیداوار پر اللہ کے مقرر کردہ حق کی قرآنی بنیادیں کیا ہیں؟ عشر کیا ہے اور کسے کہتے ہیں؟ عشر کی تاریخ کیا ہے؟ کن زمینوں پر عشر واجب ہوتا ہے اور کن پر نہیں؟ عشر کے مستحقین کون ہیں؟ ان سب سوالات کے جوابات آپ کو اس کاوش میں ملیں گے، اس کے علاہ مولف موصوف نے عشر کے متعلق ہر مسئلے کو دلائلِ شرعیہ، فقہی اصولوں اور مثالوں کے ساتھ واضح کیا ہے، یہ کتاب علماء، طلبہ اور عام کاشتکاروں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے، اللہ اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے (آمین)

● **احسن البلاغت** **تالیف: مولانا ابوالقاسم محمد الیاس بن عبداللہ گڈھوی**

ضخامت: ۲۱۲ صفحات ناشر: ادارہ النور پاکستان، 0314 5071884

اسلامی علوم میں علم بلاغت کو ایک نہایت اہم مقام حاصل ہے، قرآن کریم کی اعجاز بیانی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث مبارکہ، صحابہ کرامؓ کی فصاحت اور ائمہ دین کی تحریریں اسی علم کے آئینہ دار ہیں، بلاغت کے ذریعے کلام کے حسن کو نہ صرف سمجھا جا سکتا ہے بلکہ اس کے مضمرات اور لطائف تک رسائی حاصل ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس کے نصاب میں اس علم کو شامل کیا گیا تاکہ طلبہ قرآن وحدیث کے مفاہیم کو زیادہ باریک بینی اور گہرائی سے سمجھ سکیں، نیز دین کی تبلیغ اور

دعوت میں اپنے بیان وتحریر کو زیادہ مؤثر بنا سکیں۔

زیر تبصرہ کتاب ''احسن البلاغت'' مولانا ابوالقاسم محمد الیاس گڈھوی (مدرس مدرسہ دعوۃ الایمان مانک پور ٹکولی نوساری گجرات) کی تصنیف ہے، کتاب کا انداز سہل ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے تدریس کے تجربے کو سامنے رکھ کر اسے مرتب کیا ہے، اس مختصر کتاب میں علم بلاغت کے بنیادی ابواب جیسے معانی، بیان اور بدیع کو اختصار کے ساتھ وافر مثالوں کے ذریعے سمجھایا گیا ہے، مصنف نے قرآنی آیات، احادیث نبویہؐ اور عربی ادب کے منتخب اشعار کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے، جس سے طلبہ کو علمی ذوق بھی حاصل ہوتا ہے اور بلاغت کے اصول بھی اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتے ہیں، یہ کتاب تدریسی انداز میں مرتب کی گئی ہے، نہ زیادہ طوالت ہے نہ ہی غیر ضروری بحثیں، اس لیے یہ متوسط درجے کے طلبہ کے لیے نہایت مفید ہے، مولانا گڈھوی نے مشکل اصطلاحات کو عام فہم اور واضح انداز میں بیان کیا ہے تاکہ مبتدی طلبہ بھی بلاغت کے ذوق کو سمجھ سکیں، ابواب کو عام فہم ترتیب کے ساتھ رکھا گیا ہے، پہلے تعریفات، پھر اصولی مباحث اور اس کے بعد عملی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ اپنے موضوع پر ایک قیمتی اور نہایت موزوں کتاب ہے، اس کا اسلوب سہل اور جامع ہے، یہ ان اساتذہ کیلئے بھی کارآمد ہے جو طلبہ کو بلاغت کے دقیق مضامین کو آسانی کے ساتھ سمجھانا چاہتے ہیں، ساتھ ہی یہ طلبہ کو قرآنی اعجاز کی طرف متوجہ کرتی ہے اور انہیں عربی زبان کے ذوق و جمال سے آشنا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے۔ (آمین)

- **امام قتیبہ بن سعید بغلانیؒ تالیف: مولانا امان اللہ ثابت مترجم: مولانا محمد یوسف شاہ حقانی**

ضخامت: ۹۶ صفحات ناشر: مکتبہ یوسفیہ، سردار پلازہ اکوڑہ خٹک۔ رابطہ 0332-8788080

سرزمین افغانستان ایک زرخیز خطہ ہے، جہاں عرصہ دراز سے نابغہ روزگار عبقری شخصیات جنم لیتی رہی ہیں جنہوں نے علم وعمل کے میدان میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ انہی شخصیات میں سے امام قتیبہ بن سعید بغلانیؒ بھی ہیں جن کا شمار بڑے محدثین میں ہوتا ہے۔ جن کے شاگرد صحاح ستہ کے پانچ امام (امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ) ہیں۔ آپ کی مکمل سوانح اور حالات عربی کتابوں میں جابجا منتشر ذکر ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کی شخصیت اور حالات پر مستقل کتاب لکھی جائے، اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مولانا امان اللہ ثابت نے کشف الامانی فی حیاۃ المحدث البغلانیؒ کے نام سے پشتو زبان میں کتاب لکھی، جس میں انہوں نے ان کے مکمل حالات زندگی کو قلمبند کیے اور اردو قارئین کے لئے مولانا محمد یوسف شاہ حقانی (مدیر مکتبہ یوسفیہ اکوڑہ خٹک) نے اس کتاب کو اردو قالب میں ڈھال کر منظر عام پر لائے۔ اپنے موضوع پر یہ کتاب ایک وقیع اضافہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبولیت نوازے۔ (آمین)